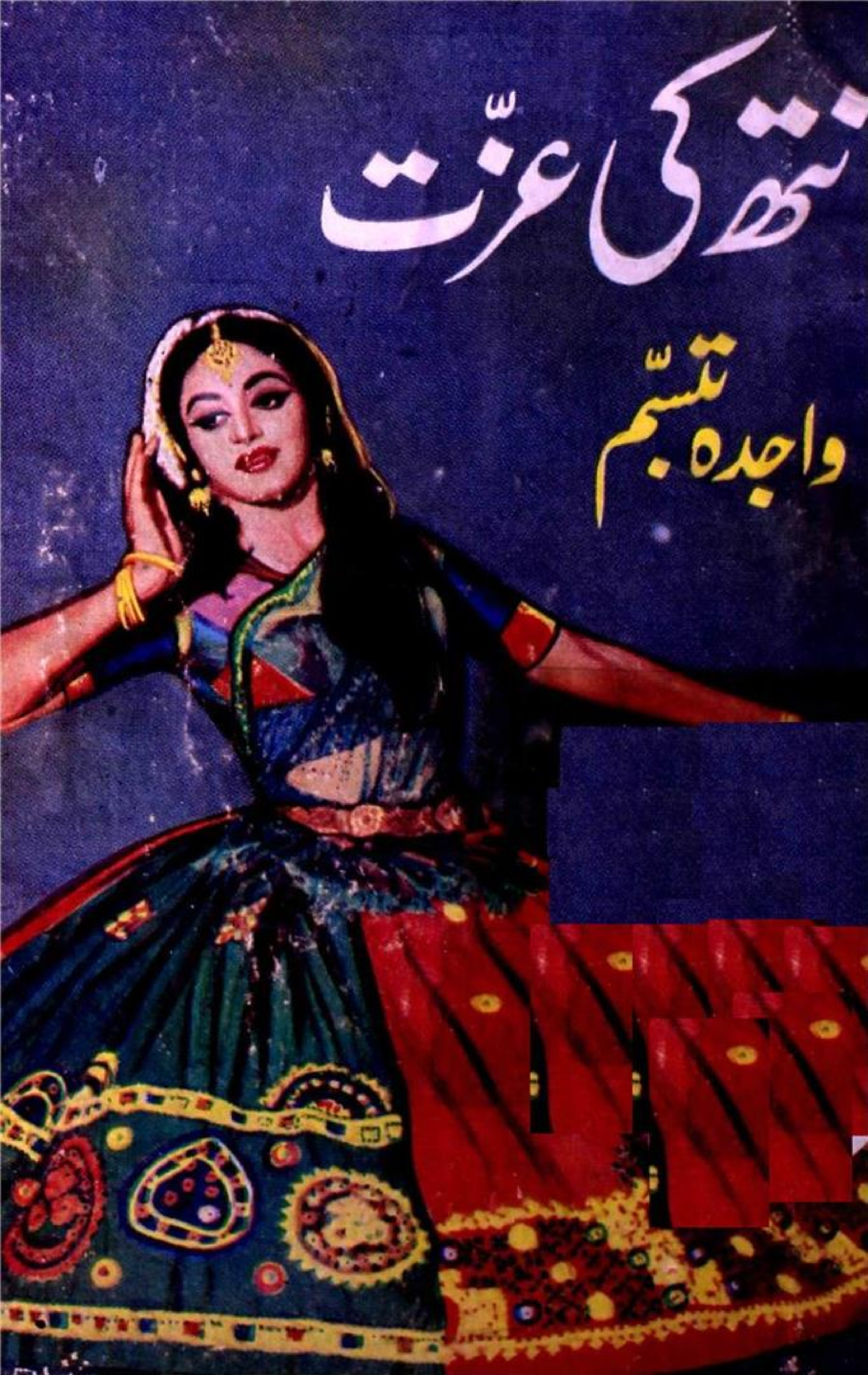
نتھ کی عزّت
واجدہ تبسّم

نتھ کی عزّت

ایک طوائف کے محبّت بھرے دِل کا ناوِل

واجدہ تبسّم

شمع بک ڈپو
آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

اس ناول کے تمام کردار، مقامات، واقعات اور ادارے فرضی ہیں۔
اور ان کا کسی شخص، جگہ واقعہ یا ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کسی فرد
مقام یا ادارے سے مطابقت قطعی اتفاقیہ ہے اور اس کے لئے مصنف
یا پبلشرز کسی طرح کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

قیمت : تیس روپے (Rs.30/-)

جملہ حقوق طبع و نقل و ترجمہ بحق پبلشرز محفوظ ہیں۔ کسی طرح بھی اس کے کسی حصّہ کی اشاعت، ترجمہ یا کسی طرح استعمال سے پہلے پبلشرز کی تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ صرف نقاد حضرات تنقید میں کچھ حصّہ نقل کر سکتے ہیں۔

شمع بک ڈپو ایڈیشن

پہلی بار   دو ہزار   اکتوبر ۱۹۸۳   لاہوتی فائن آرٹ پریس، دہلی

قصاص

"اللہ کا نام لو بی بی، کیوں ہاتھ پیر پھلائے دیتی ہو۔ کہہ تو دیا شام تک سارا پکوان پورا ہو جائے گا۔" نصیبن بی بھٹیارن نے لہسن چھیلتے ہیں ذرا اُلجھ کر جواب دیا۔

"بُوا ہیں کب نہیں بولی کہ نہیں ہوئیں گا۔ پر یہ تمہارے سنگات کی چھوکریاں کو دیکھو ذرا۔ کچھ شکرانچ نہیں۔ کیسے گھوم لے رہیں ——" بڑی ماما بولی —— پھول دار چھینٹ کے گھیر دار لہنگے پھڑکاتی بُوا کے ساتھ کی ساری چھوکریاں اِدھر اُدھر لولائی لولائی سی پھر رہی تھیں —— بُوا نے اطمینان سے انہیں دیکھا اور بولیں:

"ماما بی، تُم فکر نہ کرو —— میں نے کہہ دیا نا وقت پر ہر کام پورا ہو جائے گا انشاءاللہ۔ یہ سب کام ہی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کر رہی ہیں۔"

"بریانی کے واسطے پیاز کٹ گئی؟"

"کٹ چکی۔"

"ہورشاہی ٹکڑوں کے میوے تلے گئے؟"

"یہ مرحلہ بھی طے ہوا"۔
"ہور رائتے کے بینگن کاٹ کر نمک کے پانی میں چھوڑے کی نئیں؟"
"رائتہ تیار ہو بھی گیا اور برف کی لگن میں رکھ بھی دیا گیا"۔
"ہور خورمہ کے۔۔"اب نصیبن بُوا کا پارہ چڑھ گیا۔
"ماماجی —— ایسی ہی بڑی منتظم آپ تھیں تو ہم پھوہڑ خواتین کیوں بُلوائی گئیں؟"
"ہم رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے بول کے۔ ہم خالی بی بی ہور پاشا لوگاں کا کھانا پکاتے —— ان کے مرد مہمانوں کا بھی کھانا پکاتے، پر ہم شریف غریب لوگاں ہیں ایسے ویسوں کا کھانا ہم نہیں پکاتے ——"نصیبن بُوا نے غصہ پی کر ذرا دلچسپی سے پوچھا "تو کیا آج پہلی بار محل میں طوائفیں ناچ رہی ہیں؟ یہ تو سدا سے ہوتا ہی آیا ہوگا"
"ہوتا تو آیا برسوں سے —— ہور جب جب بھی باہر سے رنڈیاں ناچنے گانے کو آتے، بھٹیارے بلائے گئے —— پر یہ جو آج ناچنے گانے کو ماں بیٹی آرئیے اُنوں بولے کی ہمارے کو ہور ہمارے ساتھ والے لوگاں کو دلی والی بھٹیارنوں کے ہاتھ کا کھانا ہونا"
"یہ کس خوشی میں؟" بوا نے ذرا مسکرا کر پوچھا۔
"وہ ایسا بول بھیجائے کی ہم کو ایسے عورتاں کے پکوان کی عادت ہے نئیں تو گلا خراب ہو جاتا ——"
نصیبن بُوا کے ساتھ کی ساری لڑکیاں بالیاں مارے تجسس کے آس پاس آ کھڑی ہوتی تھیں۔
"اے ہے لطف رہے گا نا ——"ایک سرگوشی میں دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔
"ہائے سچ! جلدی جلدی کام نپٹا لیں —— ناچ گانا نہ ہو تب بھی ایسی عورتوں کو تو صرف دیکھنے ہی میں کتنا مزا آتا ہے —— ہے نا؟"
نصیبن بُوا نے گھور کر لڑکیوں کو دیکھا —— لہن کے جوے پر سارا غصہ اُتار کر

ماما بی سے بولیں۔

"یہ نواب صاحبان طوائفیں کیوں نچواتے ہیں؟"

ماما بی نے ناک پر انگلی رکھ کر ذرا اچنبھے سے دیکھا اور بولیں۔

"اُنوں کو اچھا لگتا۔"

محل کے باورچی خانے سے اوپر کے کام والی دو چار عورتیں بھی اپنے اپنے کام نپٹا کر دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی اس محفل میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ سکینہ بی مُسکرا کر بولی۔

"اچھا تو لگتا —— اس واسطے اِچ نچواتے گواتیں۔ پن اس وخت تو دوسری اِچ بات ہے۔" سب اس کا موتہہ دیکھنے لگیں تو وہ ہنس ہنس کر سُنانے لگی:

"اگے نواب صاحب کی شادی ہونے والی ہے کی نئیں اس واسطے اُنوں ایک نئی ایک رنڈی کو محل میں اِچ بُلا بُلا کو، نچا نچا کو، گوا گوا کو پرکھ رئیں کی جو سب سے اچھا ناچیں گی گائیں گی، اُس کو بارات والے دِن بڑی محفل میں نچوائیں گے ——۔" نصیبن بُوا نے اُچک کر اپنے آس پاس کھڑی عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھا۔ ان میں کنواری بھی تھیں۔ چڑ کر بولیں:

"اری روشن، تُم یہاں کھڑی کھڑی کیا موتہہ تکے جا رہی ہو۔ جاؤ اصغری تم اور دو چار جنے مِل کر تندور دہکاؤ۔"

اصغری نے موتہہ بنا کر روشن کو دیکھا۔

"ایسی اچھی اچھی باتیں ہو رہی ہوں تو ہمیں یونہی کھسکا دیا جاتا ہے موتہہ۔ چلو آؤ۔"

کچھ کھسکیں، کچھ وہیں کھڑی رہیں۔ سکینہ بُوا کا بیان جاری تھا۔

"یہ آج نچی بولیتوں کو نئی گیارھویں بارھویں ناچن آنے والی ہے۔ سرکار کو ابھی تک کوئی پسند اِچ نئیں آئی۔"

"جو ناکام ہو کر جاتی ہوں گی ان بے چاریوں کا دِل ٹوٹ نہ جاتا ہوگا۔" نصیبن بُوا دُکھ سے بولیں۔

"دِل کائے کو ٹوٹیں گا۔ اگے نئیں بھی پسند کرے تو سرکار اِتّا دھن دولت، زیور دیدیتے کی پُوری زندگی بیٹھ کو کھانا، پر ختم نئیں ہونا۔"

"پھر بھی!" نفیسن بُوا بس اتنا ہی بول کر رہ گئیں۔

"پھر بھی کیا پھر بھی۔ ہور کیا وہ رانڈاں ایک ہی پربس کرکے تھوڑی رہتیں۔ اَگے اِن کا تو دھندا اِچ یہ ہے۔ ایک پکڑ، ایک چھوڑ، میں اِچ ساری زندگی گزر جاتی بول کے۔"

بڑے لوگاں کی بڑی باتیں۔"

بُوا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں: "خُدا بخشے دادی مرحومہ بھی دہلی کے اُمرا کی ایسی ہی سُناتی تھیں۔"

"اے کچھ نہیں بٹیا۔ پیشے الگ الگ ہیں لیکن بات ایک ہی ہے۔" انہوں نے گرم ہوتے ہوئے تندور کی طرف دیکھ کر دُکھ سے کہا "اس کم بخت پیٹ کی آگ بجھانے کو اس تندور کو دہکانا ہی پڑتا ہے۔"

سکینہ بی ذرا بگڑ کر بولیں: "اِتّی تمنا اُنے اجاڑ ماریوں کے ساتھ کاتے کو اِتّی ہمدردی جی۔ موئی پلید رانڈاں۔ ہزار مردوئے چھوڑ کر بیٹھتیاں، اس واسطے تو ہم لوگاں کبھی رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے۔"

کھانے کا نام سُن کر نئے سرے سے ماما بی کو فکر نے آگھیرا۔

"اَئی مَیں تو چلتیوں اب۔ مگر دیکھتا کھانا مغرب تک پورا تیار ہو جانا نئیں۔ بڑے سرکار خود آکر میرے کو جتا گئے تھے۔ بی بی لوگاں تو ایسے موقعوں پر ذرا دخل نئیں دیتے۔ ہور دخل دُنیا بھی نئیں چاہئے۔ شریف عورتاں کائے کو رنڈیوں بھنڈیوں کے کاماں میں دخل دیں گے۔ اِتّا برداشت کرلیتے اِچ سو غنیمت ہے کی ناچنے گانے والیاں آتے پن کچھ نئیں بولتے —— شریف بیبیاں مردوں کے باتاں میں بولنا بھی نئیں کچھ۔" وہ اپنا سفید سر ہلاتی، بک جھک کرتی زنان خانے کو ہولیں اور ساری لڑکیاں ٹھٹرا مار کر

بنڈیوں اور بیل گاڑیوں کی طرف لپک پڑیں جن پر لد کر شامیانے اور سجاوٹ کا سامان آیا تھا۔ جس دن طوائفیں آنے والی ہوتیں، زنان خانہ سنسان ویران پڑ جاتا۔ ساری رونق سمٹ کر مردانے میں اکٹھی ہو جاتی۔ بیبیوں کا دستور تھا وہ اپنے برتنوں اور باورچی خانوں میں کبھی بازاری عورتوں کا پکوان نہ پکنے دیتیں ـــــ اس دن طوائفوں، سازندوں اور ان کے ساتھ والوں کا کھانا باہر مردانے آنگنوں میں بڑے بڑے چولہے اور تندور لگا کر پکوایا جاتا۔ اس دن محل کے مردوں کا کھانا بھی باہر ہی پکتا ـــــ شہر کے مشہور بھٹیارے بلوائے جاتے، اور شادی کا سا سماں بندھ جاتا۔ "شوکت محل" میں طوائفوں کا آنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن ان دنوں کچھ زیادہ ہی دھوم دھام تھی ـــــ نواب شوکت یار جنگ کی اپنی شادی ہونے والی تھی، اور وہ جانتے تھے کہ سارا حیدر آباد دکن ہی اس شادی میں اُمڈ پڑے گا۔ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کے باوجود ناچ رنگ اور مجرے کا بھی اپنا ایک مخصوص معیار ہو۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔ جو بھی کرنا تھا خود ہی کو کرنا تھا ـــــ ویسے شادی کے اور انتظامات تو اماں حضور کر رہی تھیں۔ لیکن یہ مخصوص شعبہ ان کے اپنے سپرد تھا۔ اس سلسلے میں ایک سے ایک طرح دار طوائف جو گانے میں بھی اپنی مثال اور ناچنے میں بھی اپنی مثال آپ ہوتی آتی رہی، بلائی جاتی رہی اور دھتکاری جاتی رہی۔

"کیا حیدر آباد میں اچھی نامور اور باکمال طوائف کا کال پڑ گیا؟" وہ اپنے آپ سے پوچھتے ـــــ وہ بہت چھوٹے سے تھے، لیکن اچھی طرح یاد تھا کہ ان کے دادا کے زمانے میں اسی "شوکت محل" میں کیسی کیسی چھیل چھبیلی لڑکیاں آیا کرتی تھیں اور سنگِ مرمر جڑے بڑے گلابی محل میں مرغابیوں کی طرح تیرتی پھرتی تھیں ـــــ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ ٹھیک سے کچھ نہ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن دماغ کے پردے پر وہ صورتیں کبھی نہ مٹنے کے لئے محفوظ اور نقش ہوتی گئیں۔ پھر جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے سمجھ آتی گئی ـــــ لیکن اب جبکہ وہ خود بھرپور جوان تھے، وہ طرح دار رقاصائیں اور کوئلیں تو خود بھی بڑھیا ہو چکی ہوں گی،

لیکن قُدرت جو اس قدر سخی اور فراخ دِل ہے اُس نے اپنے خزانے بند تو نہیں کر دیئے ہوں گے!
وہ اسی خوب سے خوب تر کی تلاش میں آئے دِن محفلیں سجا رہے تھے —— اُن کے ہرکارے ڈھونڈ ڈھونڈ کر خبریں اور پتے لا رہے تھے۔

آج کا قرعۂ فال چوک کی ایک نسبتاً گُم نام اور کم معروف گانے والی زمانی بیگم اور ان کی بیٹی کے نام پڑا تھا۔

"سرکار اب شادی کی تاریخ ہور آگے بڑھانے کی نوبت نئیں آئیں گی۔"
چھدّو میاں دوہرے ہو کر بولے "سرکار خالی بات کرنے میں آواز کی مٹھاس کا وہ حال ہے کہ جیسے کانوں میں شہد اُنڈل رہا ہو تو آپ سوچو گانے میں کیا تو کبھی نئیں مٹھاس ہوئیں گی۔ ہور سرکار صورت تو آپ خود ایچ دیکھ لینا۔"

"کس کی، ماں کی یا بیٹی کی؟" نواب شوکت ذرا مُسکرا کر بولے ——
"نئیں سرکار بیٹی کی صورت بولتوں۔ ماں کا کیا ہے، پھٹی سو سلیم شاہی جوتی۔"

آواز جس کے بارے میں چھدّو میاں نے شہد کی مثال دی تھی، وہ تو ابھی نواب شوکت نے نہیں سُنی تھی لیکن چہرہ، چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور دُنیا کی ہر مثال، ہر تشبیہہ "اوں ہوں" کہہ کر نئی لعنت کی کھوج میں آگے دھکیل دیتی تھی۔

شکرام سے اُترتے ہوئے اس نے دو چٹکیوں سے اپنا زرتار غرارہ تھاما ہوا تھا اُنگلیوں میں جھوٹے ہیرے موتی جڑی انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں کلائیوں تک لمبی آستینوں کا کام دار کُرتا تھا۔ اس سے اوپر کائنات کو تہہ و بالا کر دینے والا چہرہ تھا —— اُس روشن چہرے پر ایک چھوٹی سی تیکھی ناک تھی جو جانے کتنی اونچی ناکوں کو جھکا دینے کا عزم کئے ہوئے تھی —— ایک چھوٹی سی نتھنی اس گلابی ناک کے ایک رہ رہ کر پھڑکتے نتھنے میں نفاست سے پروئی ہوئی تھی۔ اس سے لگے ہوئے دو صبیح رُخسار بھی ہوں گے۔ اِن سے

سو وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ایک داستان کہہ دیتے والے ہونٹ بھی ہوں گے ــــ اور اسی چہرے پر اچھے بھلے انسان کو پاگل کر دینے والی دو جگمگاتی ہوئی ہلکی نیلی سی آنکھیں بھی ستاروں کی طرح جڑی ہوئی ہوں گی۔ ہوں گی ــــ ضرور ہوں گی۔ لیکن نواب شوکت نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ اس ننھی سی نتھنی والی گلابی ناک نے ہی اُن کی دُنیا بھلا دی تھی ــــ

لڑکیاں اتنی حسین بھی ہو سکتی ہیں ــــ نہ پہلے کبھی انہوں نے سوچا تھا نہ دیکھا تھا ــــ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی اپنی ماں کے پیچھے پیچھے وہ یوں آئی جیسے بہتی ہوئی آ رہی ہو یا ہوا میں اڑتی ہوئی آ رہی ہو۔

نواب شوکت نے اپنے آپ کو آج تک اس قدر کمزور محسوس نہیں کیا تھا ــــ وہ کیسے استقبال کو کھڑے ہوں ــــ مانا کہ وہ طوائفیں تھیں، بہر حال آداب مجلس اور محفل اپنی جگہ جہاں ہر آنے والی خاتون کا اُٹھ کر خیر مقدم کرنا ہی چاہیئے ــــ اٹھائیس سال کی عمر میں اس قدر نقاہت، نواب شوکت۔ ابھی تو آپ کو منزلیں طے کرنی ہیں۔ اتنی تھکن؟

دِل کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اٹھنا چاہا تو پاؤں جواب دے گئے اپنی کمزوری، اپنی بدتمیزی اور اپنی کج اخلاقی کو اُنہوں نے شانِ بے نیازی میں تبدیل کرنا چاہا۔ ایک نظر یونہی بڑے سے جگمگاتے ہوئے ہال پر ڈالی ــــ نرم گداز قالینوں پر ریشمی گدے لگے ہوئے تھے ــــ بیچ میں رقص کے لئے ایک دائرہ نما حلقہ چھوڑ کر آس پاس بچھی ہوئی چاندنیاں گدیلے۔ چاندی کے خوبصورت جالی دار پاندان اور ان میں سلیقے سے پان چھالیہ، الائچی، لونگ سب ہی کچھ تو تھا یہاں۔ چاندی ہی کے اگالدان، چاندی کے گلاب پاش۔ ایک علیحدہ مسند پر ساز بھی سجے ہوئے تھے۔

اب وہ اسی مسند کی طرف آ رہی ہو گی! دھیرے دھیرے کنول جیسے خوبصورت پیروں سے چلتی ہوئی، نہیں وہ چلتی کہاں ہے وہ تو جیسے لہروں پہ بہتی ہوئی آتی ہے . . . اب . . .

اب اب وہ یہیں سے، دِل کے پاس سے گزُرے گی ۔۔۔ اب انہوں نے اپنی ساری طاقت جمع کر کے نگاہ پھیری ـــــ اسی وقت اس کی ماں نے اسے ذرا تنبیہہ کے سے انداز میں کہا۔

"جھک کر تسلیم بجا لاؤ بیٹی ـــــ"

ماں کا حکم پا کر وہ جھکی ـــــ یوں جھکی کہ ساری کائنات ڈول گئی۔ وہ تو جھکی بھی، جھک کر سیدھی بھی ہو گئی، لیکن نواب شوکت کو اپنا آپ سنبھالنے میں صدیاں لگ گئیں۔

ایک ایک کر کے لوگ آتے گئے۔ ہال بھرتا گیا ـــــ ساز بجنے لگے، گھنگرو چھنکنے لگے وہ یونہی مسند پر ادھر سمٹی بیٹھی رہی جیسے اس ہنگامے سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ ماں گاتی رہی۔ سازندے اپنے طور پر جو جی میں آیا بجاتے رہے ـــــ ساتھ میں آئی دو تین بچیاں ناچتی رہیں اور وہ یونہی ہال کی سجاوٹ بنی بیٹھی رہی۔

نواب شوکت اُس ایک طرف نہ دیکھنے کی خاطر ساری دُنیا کا جائزہ لے رہے تھے۔ باہر سارے نوکر، نوکرانیاں دروازوں کی آڑ میں اپنے آپ کو چھپائے اندر جھانکتے کھڑے تھے۔ دن بھر پکوان کرنے کے باوجود، تازہ دم اور یہ تازگی صرف ایک زندگی بخش چہرے کے ہی دین ہو سکتی تھی ـــــ نظر آئی ہوئی بھٹیارنیں۔ خواصیں، مامائیں، بی بی پاشا لوگ کی کنیزیں چلمنوں کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی محل کی پردہ نشیں بیبیاں۔ پان چباتے ہوئے مہمان۔ داد دیتے ہوئے چہرے۔ پرلی طرف لاتوں میں میزیں لگاتے ہوئے بیرے۔ دُوسری طرف جا جم بچھا کر برتن سفید سفید نیپکنوں سے پونچھتے ہوئے محل کے خادم۔ ساری چیزوں کو وہ دیکھ سکنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ لیکن ایک طرف۔ صرف ایک جانب اُن کی آنکھ اُٹھنے کا حوصلہ نہیں کر رہی تھی۔

"کیوں۔ آخر کیوں؟

ایک دم ساز تھم گئے۔ سب اپنی اپنی جگہ چونک گئے۔ چھدو میاں زمانی بیگم سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔

"آپ صاحبزادی سے کچھ سنواتے تو ہمارے سرکار بھی خوش ہوتے۔ اب تک تو سب

بچوں کا ہی کھیل چلے ویسا تھا۔"

"آؤ بی بی۔ ذرا قریب آجاؤ ـــــ سچ تو ہے اب تمہیں گانا ہی چاہیئے" محفل میں سے کوئی بولا۔

"ناچ نہ ہو جائے پہلے۔"

"نہیں ـــــ" وہ جیسے سہم کر بولی "رقص نہیں، رقص نہیں۔"

سب لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے ـــــ ماں نے اسے خشمناک نگاہوں سے گھورا ـــــ نواب شوکت نے زمانی بیگم کی نگاہوں کا مطلب تاڑ لیا۔ سنجیدگی سے بولے۔

"ٹھیک ہے ـــــ ابھی ان کا جی نہیں چاہ رہا ہوگا تو آپ گانے کو مجبور کرتے۔ گانا ہی سن لیتے ہیں۔"

زمانی بیگم کے تیور ابھی تک بدلے ہوئے تھے لیکن مصلحتاً مسکرا کر بولی۔

"چلو بیٹی، نواب صاحب جیسا فرماتے ہیں، یونہی سہی ـــــ" پھر انہوں نے نواب صاحب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"غزل، گیت، ٹھمری، ملہار؟ جو بھی آپ کی فرمائش ہو۔"

"جو بھی یہ چاہیں ـــــ نواب صاحب نے بہت سہمے سہمے انداز میں اس کی طرف اشارہ کیا ـــــ "گانے والے کی مرضی پہ چھوڑ دیا جائے، تو وہ بات ہی الگ ہوتی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر سنبھلی ـــــ ہارمونیم والے نے ہارمونیم سنبھالا اور وہ شروع ہو گئی۔

روئے ہے شبنم کہ نیرنگِ جہاں کچھ بھی نہیں
خندہ زن ہیں گل کہ رونق گلستاں کچھ بھی نہیں

آواز کا جادو ساری محفل میں بکھر گیا ـــــ لوگ آواز اور لے میں پہلی اٹھان ہی سے

کھو گئے تھے لیکن زمانی بیگم نے سازندوں طبلے کی تیز آواز میں اُسے ٹوکنا شروع کر دیا۔

"پگلی ہوئی ہے لڑکی ——"

"یہ کیا شروع کر دیا نامُراد"

"دوسری چیز سُنا کم بخت"

لیکن اُس نے دوسرا شعر شروع کر دیا:

جن کی نوبت کی صدا سے گُونجتے تھے آسماں
دَم بخود ہیں مقبروں میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

نواب شوکت جھُوم جھُوم کر سُن رہے تھے۔

ہُوں نہ ہاں کُچھ بھی نہیں —— ہُوں نہ ہاں کُچھ بھی نہیں۔

اس ٹکڑے کی بار بار تکرار نے محفل کا رنگ بدل ڈالا۔ زمانی بیگم محفل کو سر دُھنتے دیکھ کر سر پیٹ رہی تھیں۔

اس نے اگلا شعر بڑے کرب سے گانا شروع کیا:

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کُچھ بھی نہیں

اب یہ سب کچھ زمانی بیگم کی برداشت سے باہر تھا، وہ ذرا آگے جھُکیں۔ طبلے پر زور کی ایک تھاپ ماری —— تال ٹوٹ گئی۔ لوگوں کا دھیان بٹ گیا۔ شرکائے محفل نے بدمزگی سے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا۔

"نامُراد یہ کون سا وقت ہے، ایسی عبرت ناک چیزیں پڑھنے کا۔ میرا تو دِل ہَول گیا ——"

نواب شوکت بڑی دیر بعد محفل میں لوٹے۔ وہ ابھی تک اسی لَے، اسی آواز، اسی ماحول کے سحر میں تھے۔ نرمی سے بولے:

"کیا ہُوا؟"

"وقت کی چیز وقت پر اچھی لگتی ہے حضور نواب صاحب! آپ نے تو بلایا ہے اس لئے کہ اپنی مُبارک شادی خانہ آبادی کے بابرکت موقعے کے لئے کوئی پھڑکتی ہوئی محفل گرما دینے والی چیز کا انتخاب فرمائیں گے اور شادی کے مبارک دن یہی چیز حاضرین محفل کے سامنے پیش کی جائے گی اور یہ نادان، ناسمجھ، نامُراد دیکھئے تو کیا گانے بیٹھ گئی" زمانی بیگم نے اپنی بیٹی کو نواب صاحب کے عتاب سے بچانے کے لئے خود ہی لعن طعن شروع کر دی۔

لیکن ان کی حیرت کی حد نہ رہی جب نواب صاحب نے ملائمت سے کہا۔

"ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اس سے اچھی چیز آپ کی بیٹی اور کیا گا سکے گی۔ ہم بار بار یہی سُننا چاہیں گے"

"نصیب میرے کہ حضُور بدمزا نہیں ہوتے، ورنہ اس نے میری جان لینے میں کسر ہی کون سی چھوڑ دی تھی"

"جان آپ کی نہیں ہماری لے لئے ہیں ان بی بی نے" انہوں نے اپنے دِل کی آواز سے خائف ہو کر سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کسی نے ان کے دِل کی بات تو نہیں سُن لی وہ پھر سے جھوم جھوم کر سُننے اور داد دینے لگے۔

خاک پر ٹوٹا پڑا ہے کاسہ سر ہائے ہائے

دَور میں اے جم، ترا جام جہاں کچھ بھی نہیں

پُرسوز لے اور جسم میں سے آخری سانس تک کھینچ کر نکال لینے والی، درد بھری آواز سے یہ شعر گاتے گاتے اچانک اس نے لے بدل کر دوسری غزل شروع کر دی۔

ہے بہارِ باغِ دُنیا چند روز — دیکھ لو اس کا تماشا چند روز

اے مسافر کوچ کا سامان کر — اس سرا میں ہے بسیرا چند روز

اچانک پھر وہی لے۔ وہی تان۔ وہی شعر۔ وہی کرب۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

ادھر نواب صاحب جھوم جھوم کر سر دُھن دُھن کر داد دیے رہے تھے ـــــ اہلِ محفل کی طرف سے زمانی بیگم پر کلدار روپیوں کی بارش ہو رہی تھی، کیوں کہ ان کی بیٹی نواب صاحب کا دل جیت گئی تھی۔ نواب صاحب خود بھی جب کسی طوائف کے رقص یا گیت کو پسند کر لیتے تو وہ تو جھومتے ہی رہتے اور مصاحبین نواب صاحب کی طرف سے فنکارہ پر روپیوں کی بارش کرتے رہتے۔

باہر دروازوں کے پٹوں سے لگی کنیزوں میں، چلمنوں سے جھانکتی بیبیوں میں، جا جموں پر بیٹھی بھٹیارنوں میں، خوشی کی دبی دبی سرگوشیاں چل رہی تھیں۔

"ہائے اللہ اب محل میں شادی ہوئیں گی۔ خوب مزا آئے گا نا؟"

"پھر کیا۔ نواب صاحب کی شادی کی ساری تیاری تو ہو گئی تھی۔ بس کوئی گانے ناچنے والی ایچ تو پسند نہیں آرہی تھی۔ سو وہ بھی آ گئی۔"

"اب اگلے مہینے میں ہو جائیں گی نا شادی، کیوں گے؟"

"اب ہونا تو چاہیئے ـــــ پھر کیا معلوم ـــــ"

"اے خدا اگلے مہینے شادی نہ ہو۔" اصغری اپنی ساتھ والی سے بولی جتنے دن شادی رُکی رہے گی، نواب صاحب طوائف کو بلاتے رہیں گے اور ہمیں کھانا بھی اچھا اچھا ملتا رہے گا اور روپیہ پیسہ بھی بہت ملے گا ـــــ" یہی ساری بھٹیارنوں کے دل کی بھی آواز تھی لیکن نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ساری تیاریاں ہوتے ہوتے بھی شادی رک گئی۔ نہ لڑکیوں بالیوں کے دل کھلے نہ بھٹیارنوں ہی کی دعا قبول ہوئی کہ طوائف بار بار بلوائی جائے کیوں کہ ہوا یہ کہ نواب شوکت یار جنگ کو خود وہ طوائف ایسی پسند آ گئی کہ شادی ٹالتے گئے۔

اور بڑی انہونی بات یہ کی کہ خود ہی ایک دن اس کے دروازے پر جا پہنچے۔

اُس دن شوکت محل سے مال تو اتنا کچھ مِل گیا تھا کہ ماں بیٹی چاہتیں تو عمر بھر بیٹھ کر کھا سکتی تھیں۔ لیکن گھاٹ گھاٹ کا پانی پی ہوئی زمانی بیگم تو اس دن یہ دیکھ آئی تھیں کہ نواب صاحب کس طرح بٹیا پر للّھوٹ ہو گئے ہیں اور جو کسی نے کہا ہے کہ طوائف کی نظر سدا مردوں کی جیب پر ہوتی ہے غلط نہیں کہا۔ زمانی بیگم کا بس چلتا تو پورا شوکت محل ہی اُٹھا کر اپنے گھر میں لے آتیں —— اس دن آتے ہی بیٹی پر بے بھاؤ کی پڑیں۔

"کیوں ری حرام زادی، کون سا تیرا باوا مر گیا تھا کہ نوحے اور مرثیے پڑھنے بیٹھ گئی تھی —— میں تجھے کیا سکھا پڑھا کر لے گئی تھی"۔

"جی؟" اس نے اپنی خوابناک اور معصوم آنکھیں اُٹھا کر پوچھا۔

"جی کی بچی —— میں غرارہ پہنا کر اس لئے لے گئی تھی کہ ناچ بتاتا —— ناچتے ناچتے غرارہ ذرا سا کھسکا چمکتی دمکتی پنڈلی دکھا دینا —— کوئی کوئی سر پھرا مرد عورت کے سارے جسم کو چھوڑ کر بس ٹانگوں پر ہی دَم دیتا ہے، مگر تُو تو ایسی نکاحی دُلہن بن کر بیٹھی تھی کہ جسم کی ذرا بھی جھلک تک تُو نے نہیں دکھائی۔

"اماں ——" وہ بڑے نرم اور ڈرے ہوئے لہجے میں بولی: "آپ نے مجھے مولوی صاحب کے پاس پڑھنے کیوں بٹھایا تھا؟"

یہ سوال زمانی بیگم کی سمجھ میں نہ آیا۔ جلبلا کر بولیں:

"اری قرآن شریف پڑھنے کو اور کاہے کو۔ مذہب سے واقفیت کو اور کاہے کو —— نہیں تو منکر نکیر تجھے چھوڑ کر مجھے ڈنڈے مارتے نہ آئیں گے جو اُلٹے سیدھے جواب دے تو"۔

"وہی تو کہتی ہوں اماں —— آپ نے تعلیم دلوائی —— میں نے جو پڑھا اسی پر عمل کرنا چاہتی ہوں —— مذہب یہ کہاں سکھاتا ہے کہ غیر مردوں کو اپنے جسم سے پرچاؤ مذہب نے تو حیا کی تعلیم دی ہے، اور آپ نے خود میرا نام حیا رکھا ہے۔

"اے چولہے بھاڑ میں جائے جی موئی حیا شرم، اپنی جگہ، پیشہ اپنی جگہ، شرم حیا کو لے کر بیٹھ جائیں تو فاقے نہ کریں۔"

"فاقے کہاں اماں، اتنی دولت تو آپ نے جوڑ لی ہے کہ پشتوں ختم نہ ہو اور... ..."

اور ایک زناٹے دار ہاتھ حیا کے گال پر پڑا۔

"اری حرام زادی ——— تو حرافہ تیری ماں حرافہ ——— شریف زادی بننا ہے تو پڑھوا لے کسی سے دو بول ——— جب سال کے پیچھے بچہ پیدا کروائے گا، اور جوتوں لاتوں سے تواضع کرے گا پھر آ کر مجھ سے بات کرنا۔ حرام زادی کے مزاج ہی نہیں ملتے ——— جب گانا سیکھنے کو بٹھاؤ، اُلٹے سیدھے بول اور تان نکالے گی ——— ناچنے کو کھڑا کرو جان جان کر بے تال ہونے لگے گی ——— تیری سات پشتوں میں کبھی کسی نے گھرداری اور ہانڈی ڈوئی کی ہے ——— یہ ایک بڑی پردے دار بی بی بننے چلی ہے ——— چھمن خاں!" انہوں نے موہنہ پھیر کر اُستاد کو آواز دی: "لے جاؤ لونڈیا کو اور آج تال دادرا اس کے بھیجے میں پوری طرح بٹھاؤ۔"

چھمن خاں ڈرتے ہوئے آتے تو وہ پھر گرجیں۔

"کیا کہا میں نے؟"

"جی تال دادرا" وہ ڈر کر بولے۔

"ٹھیکہ سناؤ اس کا۔"

"جی ———" چھمن خاں مسمسی صورت بنا کر بولے: "دھا۔ دھن۔ نا۔ دھا۔ تن۔ نا ———"

"اُلو کے پٹھے ہو تم بھی ———" وہ جھنا کر بولیں۔

"ٹھیکہ یوں ہے۔ دھا۔ دھن نا۔ دھا۔ تن نا ——— پہلے تو تم خود آئینے کے سامنے

کھڑے ہو کر اپنی میت جیسی صورت پر فاتحہ پڑھو ـــــ اس کے بعد لونڈیا کو پڑھاؤ۔ سمجھے ـــــ" وہ اُٹھ کر پاؤں پٹختی خود ہی چلی گئیں ـــــ چھمن خاں روتی ہوئی آواز میں بولے :

"بٹیا آپ انہیں غصّہ دلا دیتی ہیں، ہم غریب مارے جاتے ہیں ـــــ ساری عمر ساز سنگیت لے، تال، ٹھیکوں میں گزری پر اللہ قسم جب غصّے میں ہوتی ہیں تو سارا فن بھلائے دیتی ہیں ـــــ اس دن بھی آپ پر غصّہ ہوئیں اور میں غلط وقت پر غلط راگنی کا نام لے بیٹھا ـــــ اب کون نہیں جانتا کہ میاں کی ملہار، جے جے ونتی، درباری، رات کے راگ ہیں ـــــ وہ کچھ بولیں، میں کچھ سمجھا۔ بول بیٹھا بھیرویں، اساوری چڑھتی رات کے راگ ہیں ـــــ حالانکہ میری تو عمر اسی ..... "

حیا دھیرے دھیرے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر بولی :

"بابا آپ خواہ مخواہ دل چھوٹا کرتے ہیں ـــــ یہ تو میں خود ہی منحوس ماری ہوں کہ آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہوں۔"

"میرا کچھ نہیں جاتا بٹیا ـــــ آپ کے لئے میرا دل دکھتا ہے۔ آپ ان کی بات مانتی کیوں نہیں آخر؟"

"بابا جب آنکھوں میں سبز رنگ ہوں، جب یہ منظر بار بار کلیجہ مسوستا ہو کہ میں اُبٹن اور مہندی سے مہکی ہوئی ہوں، گوٹے، ستاروں سے لدے جوڑے میں دلہن بنی ہوئی ہوں، پاؤں کے بچھوے وہ موسیقی سنا رہے ہوں جو آج تک کسی موسیقار نے تخلیق نہیں کی۔ پھولوں سے سجی پالکی آنگن میں لگی ہوئی ہے ـــــ نئی زندگی کی بے پناہ خوشی اور خواہش آگے بڑھنے پر اکساتی ہے۔ لیکن پھر بھی میں کواڑ کے پٹ مضبوطی سے پکڑ لیتی ہوں، کہ نانا مجھے اس آنگن کو، بچپن کے اس دیس کو نہیں چھوڑنا ہے ـــــ بہنیں دھیرے دھیرے کواڑوں سے جُڑی میری اُنگلیاں چھڑاتی ہیں کہ جاؤ بہنا یہی تمہارا ہمارا سب کا نصیبہ ہے۔

کھائی مونہہ پھیرے آنسو چھپانا چاہتے ہیں، اور میں ایک پل روتی، ایک پل مسکراتی۔۔۔۔ آنسوؤں سے مونہہ دھوتی پالکی میں بیٹھ جاتی ہوں، جس کے ساتھ گھوڑے پر چڑھے وہ بیٹھے ہیں ۔۔۔۔ پیچھے مُڑ کر دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں آنسو اور دُنیا بھر کا پیار لئے اماں ابا کھڑے نظر آتے ہیں تو میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی ہوں کہ اتنے میں ایک ہاتھ میرا ہاتھ تھام لیتا ہے اور جیسے ساری دُنیا کی خوشیاں میری گرفت میں آجاتی ہیں ۔ بابا مجھے ایک ہاتھ چاہیئے ۔ بس ایک ہاتھ۔ ایک ہی کا ہاتھ۔۔۔۔"

"آپ میری بات کا جواب کبھی نہیں دیتیں بٹیا۔۔۔۔"

"بابا۔۔۔۔" حیا اپنے آپ کے خول سے چونک کر نکلی۔ چلئے ریاض کرلیں، ورنہ اماں میرے ساتھ ساتھ آپ پر بھی غصّے ہوں گی۔۔۔۔" وہ ابھی دوسرے کمرے میں پہنچی بھی نہ تھی کہ بڑے دروازے پر دستک ہوئی۔ چھمّن خاں لپکے۔ اِدھر اُدھر سے ساری لڑکیاں بھی نکل آئیں۔ زمانی بیگم وہیں سے وزیرن کو ٹھیلنے لگیں۔

"اری یہ کوئی نیا آدمی جان پڑتا ہے جو دستک پہ دستک دیئے جارہا ہے۔ ورنہ جان پہچان کا ہوتا تو یونہی چلا نہ آتا۔۔۔۔ بھلا ہمارے سدا کے کھُلے پڑے دروازے پہ کوئی دستک کیوں دے گا؟"

پتہ چلا کہ نواب شوکت یار جنگ کا فرستادہ آیا ہے کہ شام کو نواب صاحب خود تشریف لانے والے ہیں۔

چوک میں ایسے نصیب کس کے ہوئے تھے؟ اے لو وہ ہلور مچی کہ توبہ۔۔۔۔ اب رات آدھی رات کے جاگے تو ابھی ابھی گھر پہنچے تھے۔۔۔۔ صبح ہوا ہی چاہتی تھی۔ دن بھر تو سونے میں کٹ جاتا ہے۔ جب رات بھر کے جگے ہوئے ہوں گے اور شام ہی شام کو جو نواب صاحب آجائیں تو گھر کو سجانے، سنوارنے، خود اپنے نہاتے دھوتے، بنتے سنورنے میں کچھ تو وقت لگے گا ہی۔ "یوں کرو چھمّن خاں نواب صاحب سے کہلا دو مغرب

کے بعد تشریف لائیں کہ بندی نماز سے بھی فراغت پالے ـــــ اچھّا ہے بڑے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ گانے بجانے جیسے پیشے کے ساتھ ساتھ نماز روزے کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔"

عصر کے وقت زمانی بیگم سو کر اُٹھیں بے ہنگم سے خوب اونچے پلنگ پر، پھونسڑے نکلے میلے تکیوں اور پھٹی پُرانی چادر پر پڑے پڑے انھوں نے نیچے جھانک کر اُگالدان نکالا اور صبح کا دبا ہُوا پان بِٹاخ سے اگالدان میں تھوک دیا۔ پان کلّے میں دبا رہے تو بات نہیں کی جاسکتی نا۔ اب وہ گالیاں دینے کے لئے آزاد تھیں، مونہہ میں پیک وغیرہ کچھ نہ تھا۔

"جمالن، او جمالن۔ کِدھر مَر گئی سور کی جنی۔ اری او صابرہ۔ او خصموں دلوائی ـــــ اری او نا تحقیق کی اولاد جھنّو۔ کوئی نہیں سُنتا ـــــ اری او دلارن۔ موئی ساری جہنم کی کندیاں، مرجاؤ سب کی سب اللہ کرے منکر نکیر ڈنڈے لے لے کر تمہیں سارے جہنم میں گھمائیں۔"

صابرہ دوسرے کمرے میں مونہہ دبا کر ہنستی ہوئی بولی:

"ہم نے تو بھئی یہ سُنا اور پڑھا ہے کہ منکر نکیر قبر میں آتے ہیں نا کہ پورے جہنم میں آپا دھاپی اور چھپا کا کرتے پھرتے ہیں۔"

"ایسے موٹے موٹے کیڑے پڑیں تمہاری قبروں میں کہ جیسے سانپ۔" زمانی بیگم کی آواز مُسلسل آرہی تھی۔

جھنّو ایک نمبر کی حرامی تھی ـــــ کتابیں رسالے پڑھ پڑھ کر زبان بھی بہت تیز کر چکی تھی۔ ہنس کر دھیرے سے بولی:

"یہ مُسلسل قبر اور دوزخ کو گڈ مڈ کئے جارہی ہیں۔ کوئی انہیں سمجھائے کہ کیڑے قبر میں پڑیں گے اور سانپ دوزخ میں ہوتے ہیں۔"

"ارے وہ نواب کی اولاد اُٹھی یا نہیں بے حیا۔"

"واہ بھئی، بچپن میں تو حیب نام رکھا اور اب اس میں بے کا اضافہ کر دیا تو بچپن ہی سے بے حیا رکھ دیتیں۔"

"اب چپ بھی کرو ——"، جھنو دھیرے سے بولی: "بے چاری باجی پر پھر سے پڑتال شروع ہو جائے گی۔ لو میں ہی جاتی ہوں ——" بہت معتبر بن کر وہ زمانی بیگم کے کمرے میں پہنچی۔

"جی اماں، آپ نے یاد فرمایا۔"

"اری نگوڑیو! تمہارے کانوں میں پلنگ کی گلٹیاں پھوٹیں اللہ کرے —— کب سے بلا رہی ہوں، تم سب تیار ہو گئیں یا نہیں —— بس گھنٹے دو گھنٹے میں نواب شوکت یار جنگ آتے ہی ہوں گے۔ دیوان خانے کی صفائی کر لو اور پاندان، ناگردان، اگالدان، خاص دان سب صاف کر کے قرینے سے لگا دو۔"

"اور کچھ اماں جان ——"، صابرہ بظاہر بے حد سنجیدہ بن کر آ کھڑی ہوئی تھی ——

"اور کچھ نہیں ——"، وہ خفگی سے بولیں: "لیکن ہاں سنو، جب نواب صاحب آ کر بیٹھ جائیں اور میں چائے اور لوازمات کے لئے کہوں تو مجھے جواب دینا کہ اماں کم بخت ماری چابیاں صبح سے کھو گئی ہیں، ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے زار ہو گئے سب، ملتی ہی نہیں۔ بس اتنا کہہ کر واپس چلی جانا۔"

جمالن حیرت سے بولی: "اماں بی بی اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟"

"اری سو حرافاؤں کی ایک حرافہ۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ نواب صاحب خود ہی بٹوے میں سے سو پچاس روپے اچھال دیں گے، یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے، لیکن ایسا کہ ہاتھ بھی نہ پھیلے اور ہاتھ بھی بھر جائے۔"

حیا بازو کے کمرے میں سخت بے چینی کے عالم میں ساری باتیں سن رہی تھی۔ اُسے

یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں اماں آ کر چھاتی پر سوار ہو جائیں گی۔

"میری جان! یہ زیور پہن لے۔ میری بچی یہ جوڑا چڑھا لے۔ سنگھار کر لے۔ پھول سجا لے ــــ"، کتنا بچوں گی، ہر بار رو پیٹ کر، مار دھکے، جوتے لاتیں کھا کر بھی تو میں ان کا کہنا بالآخر مان لیتی ہوں تو شروع سے ہی کیوں نہیں مان لیتی ــــ میرے دل میں انکار کا جذبہ آخر پیدا ہی کیوں ہوتا ہے ــــ آخر میرے ساتھ کی یہ سب لڑکیاں بھی تو ہیں۔ جمالن، چھتو، صابرہ، دلارن، بیگو یہ تو اماں کی ہر بات سن لیتی ہیں بلکہ لڑ لڑ کر زیور کپڑا مانگتی ہیں محفل سجتی ہے تو جان جان کر پھیرے لگاتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مردوں کی نظریں ان پر پڑیں یوں چلیں گی کہ کسی نہ کسی مرد سے اُن کے جسم کا کوئی حصّہ ضرور مس ہو جاتے۔ کوئی انہیں تحفہ دے دے تو کس طرح خوش ہوتی ہیں ــــ اکیلے دُکیلے ہیں مردوں سے لپٹ بھی جاتی ہیں ــــ میں کیوں ان سب جیسی نہیں بن جاتی ــــ اماں کی آخر کتنی گالیاں، کتنی گھڑکیاں، کتنے کوسنے، کتنے تھپڑ میرا مقدر بنیں گے ــــ سامنے اماں کھڑی تھیں۔

"اے ہے کیا چاند سا چہرہ نکل آیا ہے میری بچی کا ــــ دیکھو بھلا کبھی کبھی بے آرامی بھی حسن کا باعث بن جاتی ہے ــــ نہ نیندیں کم ہوتی، نہ چہرہ یوں زرد پڑتا ــــ اچھا بٹیا اب اُٹھ کر جلدی سے چوڑی دار پاجامہ کرتا اور کرن بانکڑی والا دوپٹہ تو اوڑھ لے۔"

چوڑی دار ــــ؟ حیا سہم کر بولی۔

"اے وہی تو کہوں بیٹی۔ چوڑی دار پاجامہ پہننے سے جسم کے صحیح نقوش اُبھر کر آتے ہیں ــــ ماہر درزی کی سلائی ہو تو پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ پاجامہ کدھر اور جسم کدھر۔ بس یوں چپک جاتے ہے ــــ اری بٹیا تجھے کتنا سمجھاؤں کہ مرد کو پرچانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بس سارا گر ایک ہی گر میں پوشیدہ ہے۔ ہاتھ مت آؤ۔ وہ دو قدم آگے آتے، تم دو قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ تمہاری آنکھوں کی تعریف کرے تو اُس پر سے اپنی آنکھیں ہی ہٹا لو ــــ وہ مُسٹ مُسٹ تمہیں دیکھتا رہے، دیکھتا رہے، تم ایک آدھ چھوٹی سی نظریوں ہی پھینک دو،

یوں کہ وہ یہ حرکت تمہاری دیکھ ضرور لے ــــ لیکن پھر انجان بن جاؤ اور کن انکھیوں سے محسوس کرتی رہو کہ وہ دیکھ تم ہی کو رہا ہے ــــ جال میں پھنسے طائر کی طرح اسے تڑپنے دو، مچلنے دو، جال تنگ سے تنگ کرتی جاؤ، آزاد مت کرو ــــ" انہوں نے لفظ آزاد پہ زور دے کر پھر سے کہا " آزاد مت کرو ــــ کیوں؟ کیوں کہ ایک بار وہ پرندہ ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا تو سمجھو ہار ہو گئی، اور بٹیا ہمارے پیشے میں عورت کی ہار، اس کی موت ہے اور موت سے بچنا ہے تو مرد کو تڑپاؤ، اور مرد کو تڑپانا ہے تو جسم کا سہارا لو۔ اور سنو پتے کی بات۔ جسم بھی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری تمہارے چہرے کی دولت ہے۔ یہ چہرہ ــــ یہ عورت کا چہرہ کسی افسوں سے کم نہیں ــــ اس میں جڑی ہوئی بظاہر یہ بے ضرر سی آنکھیں مگر یاد رکھنا کارزارِ حیات کے سارے فیصلے اسی میزان کے سائے میں ہوتے ہیں ــــ بظاہر ایک چھچھلتی ہوئی سی نگاہ اچھے خاصوں کو منزل سے بھٹکا دیتی ہے۔ پھر دو ہونٹ عورت کا انمول ترین خزانہ۔ یہ مٹانے پہ ہی آجائیں تو مرد کی کیا ہستی ہے بے چارے کی ــــ دھیرے سے کھلتے ہوئے ہونٹ اور بند ہوں تو ہلکی سی مسکراہٹ کی آنچ دیتے ہوئے ہونٹ۔ یاد رکھنا بیٹی، شراب وراب میں کچھ بھی نہیں دھرا ــــ شراب کا لبریز، حواس گم کر دینے والا پیالہ تو خود عورت کا وجود ہے۔ جس میں چہرہ سرِ فہرست ہے۔ میں نے ناک کا ذکر نہیں کیا اور اس لئے نہیں کیا کہ اس میں ایک چھوٹی سی نتھنی ہوتی ہے، جو مرد کو اپنے گھیرے میں باندھ لیتی ہے اور نتھ اُتر جائے تو نکیل ناک میں پڑ جاتی ہے ــــ اور یہ بھی نہ بھولو کہ عورت مرد کی پسلی سے، دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اس لئے دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے کہ وہ مرد کے دل پر راج کرے ــــ نہیں تو وہ مالک وہ کارساز جس کا رچایا ہوا یہ سارا کھیل ہے، وہ عورت کو مرد کے پیروں سے قدموں سے بھی پیدا کر سکتا تھا تاکہ ساری عمر پیروں میں رُلتی رہے۔ لیکن نہیں وہ دل کے قریب سے نکالی گئی ہے، تاکہ دل پر بادشاہت کرے۔ اور تم بھی عورت ہو ــــ خوب صورت جسم اور گمراہ کن چہرے کی مالک ہو، اس لئے بٹیا بادشاہی کرو۔ ایک زمانے کو اپنے

قدموں میں جھکالو کہ بادشاہی کے آداب ہی یہ ہوتے ہیں کہ غرور سے تنے ہوئے سروں کو اپنے حضور جھکایا جاتے نہ کہ خود سربسجود ہو جایا جاتے۔ اُٹھو ۔۔۔ میں نے دُنیا دیکھی ہے۔ دُنیا نے بھی مجھے دیکھا ہو گا، لیکن میں نے دُنیا کو زیادہ غور سے دیکھا ہے اور زیادہ سمجھا ہے اور یہ بھی سمجھ گئی ہوں کہ نواب شوکت یار جنگ تو تم سے دل ہار ہی بیٹھے ہیں۔ لیکن تم بھی ان کے سحر میں آگئی ہو اور یہی چیز غلط ہے، بلکہ سب سے غلط چیز یہی ہے۔ لوگ مندر میں ماتھا ٹیکنے آتے ہیں۔ مندر خود کسی کے آگے نہیں جھکتا ۔۔۔" حیا نے گھبرا کر سر اُٹھایا۔ زمانی بیگم نے بغیر سانس لئے اپنا بیان جاری رکھا: "میں تمہاری ماں ہوں۔ جیسی بھی ہوں تمہاری ماں ہوں۔ تمہاری بھلائی ہی چاہوں گی اور جو تم مذہب مذہب کی دہائی دیتی پھر رہی ہو تو یہ تم نے خود ہی مذہب میں پڑھا ہو گا کہ ماں بہر حال ماں ہوتی ہے اور اس کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے ۔۔۔ عاقبت کی خبر خدا جانے ۔۔۔ اس دُنیا میں تو کم از کم میں تمہیں جنت بخش دوں اور جنت کے حصول کے لئے صرف دولت درکار ہوتی ہے بٹیا صرف دولت ۔۔۔ اور جب کہ دولت خود تمہارے دروازے تک چل کر آئی ہے، اسے یونہی نہ ٹھکرا دینا۔"

نواب شوکت یار جنگ سخت بے دلی سے بیٹھے ہوتے تھے ۔۔۔ وہ ان نوابوں میں سے تھے جو خود کسی طوائف کے در پر جبہ سائی کرتے نہیں جاتے ۔۔۔ کھن کھن روپیہ گن دو ۔۔۔ ناچنے گانے والیاں خود ہی حاضر۔ یہاں دل چوٹ کھا گیا تھا ۔۔۔ روک ٹوک کسی کی نہ تھی۔ سیدھے اُٹھ کر چلے آئے ۔۔۔ عجیب اٹ پٹا سا ماحول تھا۔ جس دیوان خانے میں وہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ صاحب خانہ کے حسابوں بڑی اچھی طرح سنوارا گیا تھا۔ مگر وہ سخت بدمزہ ہو رہے تھے ۔۔۔ دیوان پر جو سیج نما بستر لگا ہوا تھا اس کے پیچھے ہاتھ کے رنگے گلابی ململ کے ٹکڑوں سے گلاب کے پھول بنا کر دیوار گیریاں بنائی گئی تھیں ۔۔۔ دیواروں کو گوندے کپڑا چپکا کر بالکل ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اور اُن پر

جا بجا قرمزی گلاب کے کپڑے والے پھول ٹانک دئے یا چپکا دئے گئے تھے۔ گدا موٹا ضرور تھا لیکن جانے اس میں گھر بھر کے بیکار پھٹے پرانے کپڑے ٹھونس دئے گئے تھے یا ناریل کے کھونچے بُرادہ اور رسیاں بھر دی گئی تھیں کہ عجیب اوبڑ کھابڑ ہو گیا تھا —— سطح بے حد ناہموار تھی، اور کم بخت گاؤ تکیہ مرے ہوئے ہاتھی کے بچے کی طرح پسرا پڑا تھا —— وہ نشست جمانے کے لئے بار بار کہنی کے نیچے سے کونے میں بھرنے کے لئے تکئے کو سمیٹتے اور وہ پہلو سے نکل بھاگتا —— ایک طرف کھونٹی پر مُردہ باسی ہار لٹک رہے تھے۔ چلو لٹک رہے تھے تو ٹھیک تھا۔ مچھروں کے پرے کے پرے آ کر ان پر جھول رہے تھے جو ہاروں سے کبھی کبھار بے زار آ کر نواب شوکت یار جنگ کے جُھنڈ کے جُھنڈ بالوں پر دھاوا بول دیتے —— پاندان، ناگردان، اُگال دان غرض کئی دانوں کی قطار سجی کھڑی تھی جو انہیں سخت بے ڈھنگی لگ رہی تھی۔

"عجیب نااہل لوگ ہیں ——" انہوں نے اُلجھ کر اپنے آپ ہی سوچا —— "اُگال دان کسی چیز کی اوٹ میں رکھ دیتے یا دیوان کے نیچے کھسکا دیتے —— یہاں رکھنے کی کیا تُک تھی —— خواہ مخواہ دیکھ دیکھ کر متلی ہو رہی ہے"

نیچے دوسرے گدیلے پر ایک طرف ہارمونیم، مردنگ دونوں طبلے، دایاں، بایاں سارنگی اور ایک ڈھولکیا پڑی ہوئی تھی۔ چینی کے آڑے ٹیڑھے ناہموار ٹکڑے فرش میں جڑے ہوئے تھے اور ناچنے کے لئے ایک گول دائرہ سا بنا دیا گیا تھا —— ایک طرف دیوار سے گھنگرو بھی لٹک رہے تھے —— سخت بیزار کُن ماحول تھا —— اور اگر اس سے بھی ہزار گُنا، لاکھ گُنا بیزار کُن ماحول ہوتا بھی تو کیا تھا اگر نگاہ اُٹھانے پر ایسی حسین اور سر سے پیر تک سونے میں بنی مورتی نظر آ جاتی جو کہ اس وقت نظر آ رہی تھی اور نواب شوکت یار جنگ پلک تک جھپکانا بھول گئے تھے۔ اس وقت پلک جھپکانا گویا خدا کی نعمتوں سے ناشکرگزاری کا اظہار ہوتا —— گہرے ہرے چمکیلے ساٹن کا پنڈلیوں پر کسا ہُوا پاجامہ

اسی رنگ کا کمر سے تنگ لیکن نیچے جاکر گھیر لیتا ہوا کُرتا۔ جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مدوّر شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کیے دے رہے تھے —— جالی کا سبز رنگ کا چکیوں بھرا دوپٹہ جس پر کرن بانکڑی کی جھالر سجی تھی —— وہ جھالر پھول پھول چہرے کو چاند چاند کیے دے رہی تھی۔ اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا سلسلا ایک خواب کی طرح تھا۔ ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں، ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں ایسی جان نہ پہچان ہونے پر شکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں —— وہ یوں ہی کھڑی کھڑی انہیں بڑے پیار اور اپنائیت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے کیسے رہے کہ اپنی شادی کو کیسے ٹالیں —— شادی، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول سوغات ملی تھی —— شاید وہ اس اصول پر کاربند تھے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی وقعت گھٹ جاتی ہے ——

بڑے بے ڈھنگے پن سے، جس میں کچھ جھینپنے کی بھی چھاپ تھی۔ نواب صاحب بولے۔

"رات کو آپ کتنا اچھا گاتی ہے۔ ہمارا تو مرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نا اہل نے محفل کا رنگ دیکھا نہ اور کچھ سوچا اور ماحول کو غمگین کر دیا۔ دراصل مجھے غم سے اُنس ہے۔ اس کی لہر مارتے پانی کی طرح صاف و شفاف آواز، اس کا نفیس لہجہ، نکھری ستھری بات چیت سن کر وہ اپنے آپ سے ذرا خجل ہو گئے۔ بولے:

"آپ کہاں کے ہیں؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن؟"

"جی —— یہی حیدرآباد دکن ——" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"یہ آپ نے کیوں پوچھا؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پُتلی بنی زمانی بیگم بھی کمرے میں آ گئی۔ نواب صاحب نے

انہیں نظرانداز کرتے ہوئے حیا نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا۔
"اب لہجے اور بات چیت سے تو حیدرآباد کے نہیں دکھتے۔
"اے حضور بات سے بات نکلتی ہے دیکھئے نا، مرد کی فطرت میں خداوند قدوس نے تنوع پسندی اور رنگارنگی رکھ دی ہے۔ آپ جیسے قدرداں جب زحمت اٹھا کر آتے ہیں تو یقینی اپنے ماحول سے ہٹ کر نیا پن چاہتے ہیں۔ آپ کے گھر کی بیگمات اب دکنی اردو تو بولتی ہی ہوں گی ـــــ یہاں آکر آپ کو ایک نیا پن ملانا ـــــ آپ کا دل خوش ہو یہی ہماری زندگی ہے ـــــ پھر زمانی بیگم نے بطورِ خاص نواب صاحب کو خوش کرنے کے لئے کہا" جب آپ سے کم تر لیکن لکھنؤ، دہلی یا شمال کے رئیس اُمرا، آتے ہیں تو میں بٹیا کو کہتی ہوں کہ ان سے دکنی اردو میں بات کرے کیوں کہ یہ چیز اُن لوگوں کے لئے انوکھی اور دِل کھینچ ہوتی ہے۔ میری بٹیا دونوں طرح بڑی رَوانی سے بولتی ہے ـــــ آپ پسند فرمائیں تو وہ آپ سے آپ ہی کے ماحول کی بات کرے ـــــ"

نواب صاحب بیزار ہو کر بولے: "ہم کو ان کی زبان سے زیادہ بے زبانی پسند ہے وہ بہرحال ایک نواب تھے اور دِل کی بات دِل میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ ذرا رُک کر بولے:
"اور آپ باتاں بہت کرتے ہیں"
"اے حضور، ساری زندگی ان باتوں ہی کی تو کمائی کھائی ہے" یا بے غیرتی تیرا آسرا۔ وہ مذمت کو بھی جان بوجھ کر تعریف کے زمرے میں گھسیٹ لے گئیں۔ ایک دم انہوں نے ذرا زور سے پکار کر کہا:
"اے وزیرن ـــــ لڑکیوں میں سے کسی کو بھیجو۔ چائے پانی کا کچھ تو انتظام کرو نیک بختو!"
جھنتو مٹکتی ہوئی آئی اور بولی: "اماں بی بی ـــــ نگوڑی چابیاں ہی چنے پڑ گئیں ـــــ"

"وزیر بی سے پوچھا ہوتا ——" وہ بن کر ذرا فکر مندی سے بولیں۔ یا ظہورن سے پوچھ لو ——"

"اَئی میرے کو کیا معلوم ماں —— مَیں کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ سارے چھوکریاں دن بھر بستر گھوس لیتے پھرتے۔ وہیچ میں ہوں گی۔ چادراں اُٹھا کو دیکھے کیا؟"
ماما بی نے حلفیہ بیان دُور ہی سے اتنی زور سے دیا کہ نواب صاحب خود ہی بول اُٹھے۔
"کمال کرتے ہیں آپ بھی —— چابیاں کھو گئے تو کیا فرق پڑ گیا — لیجئے یہ بھی آپ ہی کا روپیہ ہے۔ اور انہوں نے پورا بٹوہ ہی اُنڈیل دیا۔

حیا نے بڑی تکلیف سے اماں کی طرف دیکھا —— موںہہ سے کچھ نہ بولی۔

موںہہ سے بولنے کی وہ قائل تھی بھی نہیں —— بعض لوگوں کو خدا ایسی آنکھیں دیتا ہے جو کئی زبانوں پر بھاری ہوتی ہیں اور حیا کی آنکھیں بھی انہی آنکھوں میں سے تھیں ——

اس دن جب نواب شوکت تشریف لائے تو زمانی بیگم نے جان بوجھ کر بٹیا کو تنہائی کا موقع بخش دیا۔

"یاد رکھ!" انہوں نے تنبیہہ کی: "تنہائی مرد کو شیر بنا دیتی ہے اور وہ اپنے شیر ہونے کو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بھول پاتا —— شکار پر جھپٹ پڑنے کو بے قرار ہو جاتا ہے —— اب یہ تیرا کام ہے کہ تُو کس طرح اپنے آپ کو بچاتی ہے۔ جب تک بچی رہے گی تبھی تک وہ جھومتا رہے گا —— آگے پیچھے پیچھے آگے۔ ایک بار اس کے ہاتھ تیرے گریبان تک پہنچ گئے تو سمجھ لینا کہ تیرے سارے منتر اور داؤ اوچھے پڑ گئے۔"

حیا نے سوچا: "یہ میری ماں ہے!"

نواب صاحب آتے۔ ان کے آنے میں تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ کئی لوگ آتے ہیں

لیکن جب وہ جانے لگے تو حیا کو احساس ہوا کہ اماں کی تجربہ کار اور جہاں دیدہ نظروں نے شاید غلط نہیں سمجھا تھا ــــ انہوں نے تو جانے کے لئے صرف دیوان چھوڑا تھا۔ حیا کو لگا کہ اس کے دل نے اپنی جگہ ہی چھوڑ دی ہے۔

جاتے جاتے وہ بڑی لگاوٹ سے بولے:

"آپ کوئی بات تو کرتے ہی نہیں ــــ ہمارا آنا جانا سب بے کار ہی لگتا ہے ہم نا ــــ"

حیا صرف مسکرا کر رہ گئی ــــ وہ دروازے تک پہنچ کر عجیب سے ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"خدا کے واسطے ایسے مت مسکرانا کبھی ــــ کبھی بھی نہیں ــــ ہم دل کے بہت کچے آدمی ہیں ــــ"

حیا نے وہیں کھڑے کھڑے اماں کی ساری نصیحتوں کو بھلا کر بے چارگی سے کہا:

"کچھ دیر اور نہیں رکئے گا؟" نواب صاحب جیسے اسی ایک جملے کے منتظر تھے۔ تیزی سے پلٹے اور قریب آ کر اس بری طرح حیا کو لپٹایا کہ اس کی سانس اس کے سینے میں گھٹ گئی ــــ

ایک طوائف کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ جملہ نہیں کہہ سکتی:

"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا" اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ اس کی زندگی ہی یہ ہے۔ کوئی دیکھے گا بھی تو کچھ نہیں کہے گا ــــ کیوں کہ وہ جس منڈی اور جس بازار کی مسند پر بیٹھی ہوئی ہے وہاں سب سے پہلے شرم ہی نیلام ہو چکی ہوتی ہے ــــ لیکن یا تو یہ تھا کہ حیا کے دل نے اسے طوائف ہی نہیں مانا تھا۔ یا پھر یہ تھا کہ شرم و حیا کی پونجی اس نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ کسمسا کر بولی:

"خدا کے لئے نواب صاحب کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ــــ" نواب صاحب

اس وقت ایسی سلطنت کے بادشاہ تھے جس کے چھن جانے کا دُور دُور تک شائبہ و خوف نہ تھا۔ بڑے مضبوط لہجے میں بولے:

"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ـــ یہی کہے گا کہ ایک دُولہا اپنی دُولہن کو پیار کر رہا ہے۔"

"نہیں ـــ"

"نہیں ـــ نہیں ـــ"

وہ چیخ اٹھی: "یہ جھوٹ ہے ـــ یہ جھوٹ ہے ـــ میری دُنیا کی کسی عورت نے آج تک اتنا بڑا فریب نہیں سہا۔" اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیئے ـــ اس کا نازک وجود کانپے جا رہا تھا ـــ

"میری دُنیا ـــ؟" نواب حیرت سے بولے۔

"تمہاری دُنیا ـــ؟ وہ کون سی دُنیا ہے؟ نادان لڑکی ہم تمہیں اپنی پناہ میں لے لئے تو ہماری تمہاری دُنیا تو ایک اج ہو گئی نا؟"

اس نے دھڑ دھڑ دھڑ کتے دِل کو تھاما۔

"کان یہ کیسی انہونی باتیں سُن رہے ہیں خُدایا۔ کہیں گر کر بے ہوش نہ ہو جاؤں ـــ"

اس نے دیوان کے کونے میں ٹک کر اپنے آپ کو سنبھالا۔

"آپ کو پتہ ہے نواب صاحب۔ یہ ہماری محض تیسری ملاقات ہے۔"

"جی ہو ـــ پھر؟" وہ حیرت سے بولے۔

"اور تین ملاقاتوں میں ہم نے ساری باتیں جوڑیں تو پانچ منٹ بھی باتیں نہیں کی ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے ـــ پھر؟"

"آپ کو تو ابھی یہ بھی اندازہ نہیں کہ میں کون ہوں، کیا ہوں۔ قدرت نے مجھے کس

مقام پر بٹھایا ہے ——— میرے شب و روز کیسے گزرتے ہیں ——— میرے ان ہاتھوں پر ہر روز کِس کِس کے نام کی مہندی رچائی جاتی ہے ——— کِس کِس کے پھینکے گئے روپیوں کی جھنکار پر میرے قدم تھرکتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے ابھی تک اپنے آپ کو کھویا نہیں ہے ——— لیکن سرکش ہواؤں کے زوردار تھپیڑوں کے آگے کب تک میں اس قندیل کو جلائے رکھ سکوں گی؟ اس بازار کے خریداروں میں آپ بھی تو نہیں ہوں گے اور پھر یہ تو قانونِ قدرت ہے کہ پھل پک جائے تو اُسے توڑ لیا جاتا ہے۔" اس کے خوب صورت جملوں کی کاٹ سے نواب صاحب سراسیمہ ہوئے جا رہے تھے ——— وہ چپ ہوئی تو وہ بھی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے بازو ہی آکر ٹک گئے۔

"ہم خود مختار ہیں ———" وہ اتنا ہی بولے ——— اس نے ہلکی سی قاتل مسکراہٹ سے انہیں دیکھا۔

"اپنے محل کے بڑے بھی ہمی ہیں ——— چھوٹے بھی ہمی ——— ہم اگر تم کو اپنا لئے تو ہمیں کون منع کرنے چلا؟"

"آپ نے تو دراصل اس سلسلے میں مجھے بلوایا تھا تا کہ آپ اپنی شادی کے جشنِ مبارک کے موقع پر اپنے حلقہ احباب میں میرا رقص اور سنگیت پیش کرنا چاہتے تھے ——— آپ بھول گئے ہوں تو یاد دلا دوں، اگلے مہینے کی ہی کسی تاریخ میں آپ کا عقدِ مسعود منعقد ہوگا اور میں حسبِ وعدہ اس میں ناچوں گی ——— آپ کے احباب اور حیدرآباد کے اُمراء اور روساء کا دل بہلاؤں گی اور جب سجی سجائی پالکی میں آپ دُلہن کو محل لے آئیں گے اور آپ کے سہرے کے پھولوں کی پتیاں گریں گی، اور دُلہن کے گجروں سے مسلی مسلائی کلیاں ٹوٹیں گی تو میں وہی پتیاں اور وہی مسلی ہوئی کلیاں سمیٹ کر اپنا دامن بھر لوں گی اور سوچوں گی: یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی!"

نواب شوکت چلائے: "یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی۔ نہیں! وہ ہوگی۔

ہو گی اور ضرور ہو گی ——"

نواب شوکت کی آواز —— زور دار آواز دوسرے کمرے میں پہنچی تو زمانی بیگم لپکی آئیں —— دروازے پر کھنکار کر اُنھوں نے گلا صاف کیا تاکہ بے ترتیب حالت میں ہوں تو نواب صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھ جائیں لیکن وہ خود ہی سنبھلے سنبھلاتے تھے —— البتہ حیا کی آنکھیں خوشی غم اور ناقابلِ یقین خوش آئند واقعات کے احساس سے گیلی گیلی سی تھیں۔

"اے حضور —— میں نے کہا نصیبِ دُشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی —— جی —— نہیں تو —— ہم بالکل اچھے ہیں۔ خُدا کی مہربانی ہے۔ اب ہم چلیں گے ——"

"اے ہے قبلہ —— ابھی آئے ابھی چل دِئے —— ابھی تو رات نے اپنی آنکھیں کھولی ہی ہیں۔ ابھی تو جیسے جیسے رات کی زُلفیں اپنی سیاہی کو گہرا کریں گی، ویسے ویسے حیا ہتوں کے اُجالے دِلوں کو روشن کریں گے —— پھر رات چڑھ لے تو حضور بیدے رات کا راگ اور مالکونس سُنیں یا چاند کونس یا مدھ کونس سُن لیں —— اُترتے سُروں کے دِل میں گھر بنانے والے راگ تو سرکار آدھی رات کو ہی سُنے جاتے ہیں۔ اور درد کی وہ لذّت بخشتے ہیں کہ آنکھوں تک آئے ہوئے آنسوؤں کو کبھی انسان دوبارہ دِل میں انڈیل لے اور حُضور آنسو بہہ گیا تو دِل صاف اور ہلکا ہو گیا، مزا تو یہی ہے کہ آنسو آنکھ کی بجائے دِل میں کھٹکتا رہے —— کھٹکتا رہے، سارے وجود کو رُلاتا رکھے، مگر آپ نہ بہے ——" وہ اُٹھ کر سازوں والے گدیلے پر جا بیٹھیں۔

"آؤ بیٹی —— نواب صاحب آئیں اور یوں ہی چلے جائیں —— فقیروں کی سوغات تو یہی سُر ہیں۔"

اِس عرصے میں نواب شوکت بار بار آتے اور ہر بار تہی دامن لوٹے —— وہ ہر بار

اطلاع کروا کر آتے ــــ پہلے خادمِ خاص اُن کا سندیسہ آکر پہنچا جاتا ــــ پھر سورج ڈھلتے ڈھلتے ان کی شان دار بگھی بھی چوک پہنچ جاتی ــــ زمانی بیگم روز کی طرح کلّے ٹھسّے سے سجی بنی، اپنی ساری قوم کو بھی سجائے بنائے رکھتیں ــــ حیا کو ٹھیل ٹھال کر جبراً تیار کروانا پڑتا ــــ اُن کی ایک بھی ادا تو کم بخت میں نہیں آئی تھی ــــ اور یہی غم انہیں کھائے جاتا۔ نہ پہننے اوڑھنے کا شوق نہ کھانے کھیلنے کا ــــ نہ مردوں سے آنکھیں لڑانے کا نہ چونچلے دِکھانے کا۔ اس عمر میں تو شریفوں کی لڑکیاں بھی پہن اوڑھ کر خلیرے، ممیرے، پھپھیرے بھائیوں کو اپنی چھب چھل دکھا کر نخرے کر کے دل جیتنا چاہتی ہیں ــــ یہ رنڈی زادی ہو کر بھی سات پردوں میں چھپی بُربُن کر رہنا چاہتی ہے ــــ کیا حُسن پایا ہے کم بخت نے اور کیا جسم دیا ہے اس کو مالک نے ــــ کیا آنکھیں دی ہیں ربّ کریم نے اور نگاہوں کا انداز ؟ تیلی ناگن کے کاٹے کا منتر مِل جائے۔ مگر اس کے ایک اندازِ نظر کا مول نہ ملے ــــ لیکن کم بخت نامراد ــــ نہ سنگھار کرے، نہ کپڑے لتّے میں دِل چسپی لے ــــ زیور سے تو نگوڑی کو باپ مارے کا بیر ہے ــــ ذرا پہنا اوڑھا دوں تو میری اپنی نظر لگنے لگتی ہے، تو مردوں کا تو کیا حال ہو جائے ــــ لیکن نامُراد کو مذہب کی تعلیم اور ترجمے سے قرآن شریف پڑھانا ہی حرم ہو گیا ــــ رقص نہیں کریں گی کیوں ؟ بدن کھُل جاتا ہے ! ہوں شریف زادی ! بار ۔ ت میں مجھی کو اُلٹے طعنے دے گی ــــ ہونہہ ــــ شادی کر کے بچّے پیدا کرے گی ــــ ہانڈی ڈوئی کرے گی ــــ اسی لئے نامرادیہ اتنی محنت کی ــــ نہ دِن کو دِن سمجھا نہ رات کو رات ــــ سنگیت پورا کا پورا جتنا میرے اندر تھا سب اس کے اندر انڈیل دیا ــــ رقص کی وہ تعلیم دِلوائی کہ چاہے تو اپنے رقص کے بل پہ ساری ریاست حیدر آباد دکن کے مردوں کو تگنی کا ناچ نچوا دے ــــ لیکن اڑیل مُنتے تب نا ــــ زیادہ جور جبر کروں تو رونے بیٹھ جاتی ہے۔ روئے تو موہنہ سوج کر تھتھا بن جاتا ہے۔ پھر موا گاہک آتے تو کیسے اس کا دِل آئے ــــ ایسے شاعرانہ مزاج کے لوگ کتنے آتے ہیں جو روتی روتی آنکھوں اور

سوگوار حسن پر اپنا آپ فدا کر دیں ——— ہونہہ ——— اُس دن نواب صاحب نے راگ شُدھ کلیان سن کر کیا کیا تعریفیں کی تھیں ——— ڈھلتے سُورج کی سونا بکھیرتی کرنوں کا جال تھا، اور راگ کِدارا ——— ہے ہے نواب شوکت تو جی جی کر مرے اور مَر مَر کر جئے۔ اِن کے لئے بعد میں میں نے یوں ہی اس کا دِل بڑھانے کو کہا کہ دیکھا نواب صاحب کی کیا حالت ہو رہی " تو اُلٹا مجھی سے کہنے لگی : " ساری زندگی ٹھنڈے پانی کو ترسا ترسا کر آپ نے مجھے مارا ہے سدا گرم پانی پلایا کہ ٹھنڈے پانی سے گلے کی رگیں مرجاتی ہیں اور گانا ٹھیک سے نہیں گایا جاتا۔ آپ کو پتہ ہے آپ نے مجھے خداوند تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت، ٹھنڈے پانی سے محروم رکھا ہے۔ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سَرد پانی بے حد عزیز تھا ——— کیسی بدنصیب ہوں میں کہ ایسی آسان سُنّت کو بھی نہ اپنا سکی ——— "

" اے لو ——— ٹھنڈا پانی پلا پلا کر کیا مجھے اس کی جوانی اور اپنا بڑھاپا خوار کرنا تھا ——— اب مَیں کہوں گنگنے پانی میں بھلا کیا بُرائی ہے ——— کیا ہم نے نہیں پیا ——— لیکن نہیں، وہ تو مجھے رسوا کرنے پر ہر بات میں بس مذہب کو لے دَوڑے گی ——— اب آج کم بخت ذرا تو بیچر بیچر کرے ——— آج یا وہ نہیں یا مَیں نہیں ——— اور اسی تہیّہ کے ساتھ وہ اُٹھ کر حیا کے کمرے میں پہنچیں۔

" حیا بیٹی ——— " انہوں نے بڑے دُلار سے اسے مخاطب کیا ——— لیکن حیا کو دیکھتے ہی وہ ہک چک رہ گئیں ——— آج حیا بارہ ابرن اور سولہ سنگھار کئے دُولہن بنی، جنّت کی شنیدہ حوروں کو شرما رہی تھی۔ ساری زندگی سے مردوں کی رگ رگ کا بھید جاننے والی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ایک مرد نے اپنا وار چلا دیا ہے ——— نتھ اُترنے تک ہر شام کو طوائف زادی کو سنگھار پٹار کے لئے اُکسانا اور جتانا پڑتا ہے۔ جب طوائف زادی خود سے آئینے کے سامنے جا بیٹھے تو سمجھو کہ نتھ خطرے میں ہے ——— ایک شریف زادی کی طرح، نتھ کی بھی اپنی ایک عزّت ہوتی ہے اور اسے عزّت کے ساتھ اُتارا جانا چاہیئے۔ نتھ اُترنے کی

عزت یہ ہے کہ ایک موٹی رقم اور تمام جھام کے ساتھ اترے —— یہ نہیں کہ رات کے سناٹے میں دو ہاتھ بڑھیں، بدن پر سرسرائیں —— سانسوں سے سانسیں ٹکرائیں، جسم کا کوراپن سمٹیں اور نتھ جہاں کی تہاں!

زمانی بیگم جہاں دیدہ تھیں —— ایک لفظ بھی نہ بولیں —— بلکہ اپنے انداز سے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ بیٹی کے اس انداز سے بہت خوش ہوئی ہیں، اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتی ہوئی دوسری لڑکیوں کے کمرے میں چلی گئیں۔

نواب شوکت آئے —— مدتوں بیٹھے رہے —— جھنو، دلارن، صابرہ اور جنے کون کون سڑی ماری لڑکیاں، پھوہڑپن سے سجی بدسلیقگی سے سنوری آ آ کر بیٹھتی، بیٹھ بیٹھ کر اٹھتی گئیں —— لیکن وہ نہ آئی جس کا انہیں انتظار تھا۔

ادھر حیا ستار کے تار کی طرح تنی بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں کے آوک جاوک سے اسے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ نواب صاحب کبھی کے آئے بیٹھے ہیں لیکن کوئی اسے نیوتہ یا سندیسہ دینے نہیں آیا —— کیوں نہیں آیا؟ یہ وہ جان نہ پائی اور لاکھ وہ ہزار جانوں سے نواب صاحب پر فدا ہو چکی تھی وہ یہ کبھی گوارا نہ کر پاتی کہ خود سے بنا بلائے چلی جاتے —— اماں کی تعلیم کو اس نے سدا اِس کان سے سن کر اُس کان سے اڑایا تھا لیکن محبت کے اس وقار کو تو وہ خود بھی جانتی اور مانتی تھی کہ محبت میں پہل اور پیش قدمی عورت کی طرف سے نہیں ہونی چاہیے —— اسے یقین تھا کہ ادھر نواب صاحب بھی اس کے ملنے بے چین ہو رہے ہوں گے، —— اس کا فن ابھی تک فرش اور مسند تک ہی محدود تھا۔ بستر تک نہیں پہنچا تھا۔ فرش پہ اس

وہ رقص دکھاتی ـــــ مسند جہاں بیٹھ کر وہ موسیقی کا سحر گھولتی ـــــ اٹھارہ سال کی وہ ہو چکی تھی۔ لیکن بستر اکھڑا اکھڑا تھا ـــــ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کئی ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں کہ فرش اور مسند سے اُٹھا کر اسے بستر تک پہنچا دیں ـــــ لیکن وہ آج تک اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب رہی تھی ـــــ زمانی بیگم ادھر اپنے حسابوں یہ سمجھتی تھیں کہ میں بٹیا کو سنبھال سنبھال کر رکھ رہی ہوں اس لئے کہ موٹی گانٹھ دیکھ کر نتھ کا پورا مول لوں گی۔ حالانکہ حیا کو ہنسی بھی آتی تھی۔ لاکھ اپنے وعظوں اور تجربہ کارانہ اسباق و سباق کے باوجود اماں شاید یہ بھول جاتی ہیں کہ طوائف کی دُنیا میں وہ عورت ہوتی ہے جو اندھیرے اُجالے اکیلے دُکیلے کہیں بھی بے دھڑک آجا سکتی ہے کہ اسے عزت لُٹنے کا ڈر نہیں رہتا ـــــ کوئی شریف لڑکی یا عورت اندھیرا پڑتے ہی سرِ راہ جانے سے ڈرتی جھجکتی ہے کہ کہیں کوئی عزت نہ لُوٹ لے ـــــ عزت لُٹنے سے وہی تو ڈرتا ہے، جس کے پاس عزت ہو ـــــ طوائف کیا اور اُس کی عزت ہی کیا ـــــ اب اماں جو مجھے زمین میں گڑے دفینے کی طرح سمجھ کر سانپ بن کر پہرا دیتی رہتی ہیں، اگر میں کہیں اپنی عصمت کا موتی کھو آؤں تو کیا ہوگا؟ یہی ناکہ اماں کو نتھ اُترائی کی موٹی رقم نہیں ملے گی۔ چوک میں کوئی زلزلہ نہیں آجائے گا ـــــ لوگ اپنا کام کاروبار نہیں چھوڑ بیٹھیں گے ـــــ دُنیا تہہ و بالا نہیں ہو جائے گی۔

میں بھی یہی رہوں گی ـــــ کیا میں بدل جاؤں گی؟ اس زندگی میں آخر رکھا ہی کیا ہے ـــــ کب تک یہ عزت سنبھلی رہے گی؟ اور کون بے حس ہوگا جو مجھے خرید لے جائے گا ـــــ ایک دم بے پناہ اس کا جی چاہنے لگا ـــــ مجھے کوئی نہ خریدے ـــــ مجھے کوئی ایک پائی تک نہ دے ـــــ بس مجھے نواب شوکت بیاہ لے جائیں ـــــ چاہے وہ چڑھاوے میں ایک ماشے کا زیور نہ لائیں ـــــ چاہے آڑے ڈنڈے کی کھڑی ڈولی میں بٹھال لے جائیں۔ موٹے جھوٹے سُرخ ململ کا مہنر گھونگھٹ اور مدرے کا جوڑا جو کھتی کے تھال میں سجا کر لائیں، لیکن اپنی دُولہن بنالیں ـــــ

خیالات کی ایک رَو تھی کہ اُسے بہائے لئے جاتی تھی ـــــ اسی سوچ میں پتہ نہیں

کسی انجانے جذبے کے تحت اس نے اپنے ماتھے تک اپنا کامدار دوپٹہ کھینچ لیا ـــــ کوئی دیکھتا تو سمجھتا پلنگ پر کوئی دلہن بیٹھی ہے ـــــ اسی لمحے کسی نے اس کا سچ مچ ہی گھونگھٹ اٹھا دیا ـــــ اس نے چونک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بوکھلا کر سرو قد کھڑی ہو گئی۔

"آپ یہاں ـــــ؟" اس کے حیرت زدہ انداز پر نواب شوکت ہنس پڑے۔

"بھئی ہم ہی تو ہیں ـــــ اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟" اس نے ذرا ڈر کر ادھر ادھر دیکھا ـــــ بولی کچھ نہیں ـــــ نواب شوکت ہنسنے لگے۔ ہنستے ہنستے بولے:

"آپ کے اماں جان سے پوچھ کر ہی ہم یہاں آئے ہیں"

حیا سخت حیرت زدہ ہو رہی تھی ـــــ وہاں دیوان خانے میں تو نہیں بلوایا اور یہاں خود سے بھجوا دیا۔

اک دم اس کا خون کھول اٹھا ـــــ وہ ماں کی چال سمجھ گئی ـــــ اس کمرے میں، اس کے خاص کمرے میں جو اس نے بے حد نفاست سے سجا رکھا تھا جو اس کی نفاست پسند طبیعت اور پاکیزہ فطرت کا مظہر تھا جو سدا خوشبوؤں سے مہکا رہتا تھا ـــــ جس کے بستر پر بے حد سفید جھاگوں ایسی چادر اور جھالروں لگے سفید اور ملائم پروں والے تکیے سجے رہتے تھے۔ پائنتی ریشمی سفید دلائی تہہ کی ہوئی دھری رہتی تھی اور سدا ہر موسم کے پھولوں کے گجرے سرہانے مہکتے رہتے تھے اور پھر وہ تو خود ایک کلی کی طرح نازک اور کلی ہی کی طرح اپنی خوشبو آپ چھپائے اسی بستر پر سجی رہتی تھی۔ یہ سب کچھ یہ سارا ماحول ایک مرد ایک ترسے ہوئے مرد کے لئے کیسا بھرپور بلاوا تھا

اس کے وجود میں چنگاریاں بکھر گئیں: "آج مجھے نہ بلا کر اکیلے میں اماں نے کہیں نتھ اتروائی کی بات تو نہیں کی ـــــ" اس نے اپنے شک و شبے کی گرد جھٹکنے کی کوشش نہ کی تو نواب صاحب خود ہی بولے:

"تمہارے چہرے پر سوچ بچار کیوں ہے یہ؟" وہ وہیں، اس کے اپنے کنوارے

بستر پر ـــــ اس کے کنوارے جسم کے بے حد قریب بیٹھ چکے تھے ـــــ وہ ذرا پرے کھسک کر بولی :

"جی ـــــ نہیں تو۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ـــــ آپ کی تشریف آوری تو میرے لیے خوشی کا باعث بنے گی نہ کہ فکر و تردّد کا ـــــ" وہ جب تک یہ بات کہتی رہی وہ صرف اس کے رَس بھرے ہونٹوں کو دیکھتے رہے ـــــ پھر جیسے ہار کر بولے :

"آپ کے یہ ہونٹاں ـــــ پھر ایسے باتاں ـــــ خدا نے ہر چیز ـــــ ہر اچھی چیز کیا آپ کو ہی دے دی گیا ؟" وہ بُری جھینپ گئی ـــــ سچے موتیوں کی طرح سچّی شرم کی بھی ایک اپنی آب ہوتی ہے، جو چہرے کو جگمگا دیتی ہے ـــــ اس ایک لمحے میں حیا اس قدر خوب صُورت ہو گئی کہ وہ پاگل ہو گئے۔

"حیا ـــــ" وہ جذبات سے بہکتی ہوئی آواز میں بولے : "ہم امّی حضور کو بول دئے کی ابھی ایک سال تک شادی کا مَت بولو آپ ۔"

حَیا اِک دَم بولی : "صرف ایک سال ؟ اس کے بعد کیا ہوگا ؟ کیا ایک سال میں آپ مجھ سے اُکتا جائیں گے ؟"

"اُفوہ ـــــ" نواب صاحب سر پر ہاتھ مار کر بولے : "ہم کیا کہنا چاہے اور آپ کیا سمجھے ـــــ ہم آپ کو کیوں سال بھر میں چھوڑ دیں گے بھلا ـــــ وہ تو فقط امّی حضور کو ٹالنے کے واسطے بولے ـــــ" وہ اس کے کان کے قریب اپنا مونہہ لا کر بولے :

"ہم تو باقاعدہ آپ سے شادی کریں گے ـــــ"

اچانک کمرے میں زمانی بیگم داخل ہوئیں اور تیزی سے بولیں :

"نواب صاحب شادی وہ کرے جسے اپنی زندگی خوار کرنی ہو۔ کہیں شریف زادوں نے ڈیرے والیوں اور چوک والیوں سے زندگی نباہی ہے ؟ چار دن ہنس بول

لئے پھر تو کدھر ہیں کدھر ـــــ میں جانتی ہوں کہ ایسی شادیاں کبھی ہوئی ہیں ـــــ باقاعدہ ہوئی ہیں لیکن مرد کو خدا نے بہت بڑی چھوٹ دے رکھی ہے ـــــ ہے تو چھوٹا سا لفظ ـــــ طلاق ـــــ لیکن اس سے بڑے بڑے معرکے سر کئے جاتے ہیں ـــــ" نواب شوکت حیرت سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ حیا اپنی جگہ الگ خجل ہوئی جارہی تھی۔

"مجھے کوئی تو قانون ایسا بتایئے جس سے آپ میری بیٹی کا ہاتھ تھامیں تو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اُسے نہ چھوڑیں ـــــ دعوتی رقعوں پر آپ بڑے کرّوفر سے چھپوائیں گے ـــــ "شادیِ خانہ آبادی" لیکن وہ جیسی خانہ بربادی ہوگی میں ابھی سے جانتی ہوں ـــــ آپ کو میری بیٹی پسند آگئی ہے تو سیدھی سی بات کر لیجئے نا ـــــ یکمشت رقم نتھ اُتروائی کی ـــــ یا ماہانہ یا سالانہ ـــــ ویسے ...."

"امّاں ـــــ" حیا کانوں پر ہاتھ رکھ کر اتنی زور سے چلّائی کہ نواب شوکت بُری طرح چونک پڑے ـــــ پھر دونوں ہاتھوں سے موُنھ چھُپا کر وہ سسک سسک کر رو اُٹھی ـــــ

"امّاں بزرگوں سے تو یہی سُنا کہ عورت اور کھانا ہمیشہ ڈھانک کر رکھو۔ لیکن امّاں آپ نے تو مجھے بالکل ہی کھول کر رکھ دیا ـــــ تھال میں سجا کر پیش کر دیا۔ کیا میں ایسی گئی گزری ہوں ـــــ کیا واقعی میری کوئی عزّت نہیں ؟" اس کا دُلہن کی طرح سجا ہوا رُوپ رونے اور دل کی جلن کے تپنے سے اور بھی نکھر آیا تھا۔ نواب شوکت کو اسے نظر بھر کر دیکھنا دُوبھر ہو گیا ـــــ وہ ایک دم کھڑے ہو گئے ـــــ اُنہوں نے اپنا ہاتھ حیا کے شانے پر رکھا اور بڑے عزم سے بولے :

"ہم آپ کو بیاہ کر لے جائیں گے اور وعدہ کرتے ہیں کہ سدا آپ کو ڈھانک کر رکھیں گے ـــــ"

دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا ـــــ چھمن خاں ٹھیکہ لگا رہے تھے ـــــ ۔ دُلارن اور صبّو تھرک رہی تھیں ـــــ زمانی بیگم نے دیکھا، پھر تج زچ ہو کر بولیں: "یہ رقص ہو رہا ہے نگوڑیو ـــــ"

سانسوں سانس ہوتی ہوئی لڑکیاں رُک گئیں اور حیرت سے بولیں:

"جی ـــــ ؟"

"یہ پیر کیسے پڑ رہے ہیں۔ تمہارے باوا نے کبھی ایسا ناچ نا چا تھا ؟"

صابرہ جیسے ہار کر بولی: "اماں ہمارے رقص کی تو سارے رجواڑے میں دُھوم ہے ـــــ"

"اے ایسی دِل میں گھر کرتی گَت پر ایسا بھونسڑا رقص ؟ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا۔ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن تا۔ آہا ـــــ ہا ـــــ" وہ جھوم کر بولیں "کیا بات ہے تال کہروا کی ـــــ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا ـــــ تم موٹی بھینسوں کو تو ایسی لہر بہر گت پر بھی ناچ نہیں سوجھتا ـــــ میں تو موئی نبض کی دھک دھک پر بھی دُنیا کو نچا کر رکھ دوں ـــــ"

دُلارن پاؤں پسار کر وہیں بیٹھ گئی ـــ "اے سچ اماں ـــــ تبایئے نا آپ نے اب تک کتنوں کو نچایا ہے ـــــ لگتی تو آپ اب بھی کانٹا ہیں ـــــ"

"اب بھی ـــــ ؟ دیکھو بھئی اس "اب بھی" میں تو ذِلت کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اب وہ بات نہیں رہی لیکن ایسے بھی گئے گزرے نہیں ہو گئے ہم ـــــ ایسا ہی ہے تو تم میں سے کوئی لڑکی سُر نکالے ـــــ پھر میں بھی نکالوں ـــــ بیبیو۔ سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی تو کوئی سڑک چلتا بھی رُک کر بتا دے کہ ہاں سات سُر شُدھ ہیں۔ کھرج۔ رکھب۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھیوت۔ نکھاد اور انہی کے چھوٹے۔ بچکانہ پیار کے مختصر نام کہہ لو یہ سارے گاما پا دھانی ہیں۔ لیکن کوئی یہ کر کے بتائے اور ایسا سچا سُر

نکالے کہ بہتا پانی رُک جائے ــــ بُجھتا ہوا چراغ دم پکڑ لے ــــ ارے یہ نہیں تو کم از کم ہوا ساکت ہو جائے ــــ اب تم سے کیا بتائیں چاند نکلنے پر مسند سنبھالتے تھے اور سورج کا مونہہ دِکھ جاتا تھا پر نہ سننے والوں کے دِل بھرتے تھے نہ گانے والی گانے اور سُر کا حق ہی ادا کر سکتی تھی ــــ ہائے کیا دن تھے ــــ ایک تم نکمی مُردارنیں ہوا اور ایک وہ ہماری بادشاہ زادی ہیں ــــ کہتی ہیں محفلوں میں گاتے ہوتے شرم آتی ہے۔ وہ تو اب تخلیئے میں بیوی بن کر لجائیں گی۔ شرما شرما کر بیڑے بنا بنا کر میاں کو دیں گی اور ان ہی کی فرمائش پر میاں کی ملہار گائیں گی ــــ ہونہہ ــــ"

"آپ کو یہ سب بُرا لگے گا اماّں؟" جانے کب سے حیا پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اور ساروں کی باتیں سُن رہی تھی ــــ اس کی دھیمی آواز پر زمانی بیگم نے پلٹ کر دیکھا بولیں تو یہ بولیں:

"تمہیں تو اچھا لگتا ہے نا ــــ بس ٹھیک ہے اور سُنو تم نہار ہی تھیں، تمہاری سُسرال سے سندیسہ آیا تھا۔ تمہارے میاں آرہے ہیں ــــ" انہوں نے لہجے کا زہر سارا کا سارا "تمہارے میاں" میں گھول کر کہا۔

اِدھر کی رات اُدھر ڈھل گئی۔ چاند پھیکا پڑ گیا ــــ تارے سفیدی مائل ہو کر نور کھونے لگے لیکن نواب شوکت کی آنکھیں اُس چاند کا طواف کرتے نہ تھکیں جو جگمگاہٹ میں آسمان کے چاند کو بھی نیچا دِکھانے پر تُلا ہوا تھا۔

"ہم کتنے بار تمہارے گھر آچکے ہیں حیا۔ تم ہمارے محل میں کبھی تو آؤ۔"

"آپ کے محل کا زینہ چڑھ تو جاؤں گی، مگر دوبارہ پستی کو گلے نہ لگا پاؤں گی۔"

نواب صاحب اُسے مُسکرا کر دیکھنے لگے تو وہ کہنے لگی:

"اِتنی بلندی عطا کئے بعد پستی کی راہ نہ دِکھایئے گا، جو در ایک بار کھول رہے ہیں

ئے میرے داخل ہوتے ہی بند کر دیجئے گا تاکہ نکلنے کی کوئی راہ میرے لئے باقی نہ رہے۔"

"کیا ہماری بات پر تم کو یقین نہیں ہے حیا؟"

"آپ کی بات پر یقین کیسے نہ کروں گی —— لیکن نواب شوکت میری زندگی تو ایک شیشہ ہے جو چٹخ گیا تو میرے اپنے ہی دو چہرے ہو جائیں گے —— آپ کون سے چہرے کا اعتبار کریں گے؟" ایک دم نواب صاحب اُٹھ کر کھڑے ہوتے۔ بولے:

"واقعی ہم یہ بار بار کے آنے جانے میں ہی رہ گئے ہیں —— بس اتنا بھی نہیں خیال کرے کی آخر آپ کے اماں جان کو شادی کی تیاری کے واسطے کچھ رقم دینا چاہئے ——"

وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے کو چل دئے —— حیا نے سخت ذلّت محسوس کی۔ "یہ کن گھرانوں میں ہوتا ہے کہ لڑکی کے دان دہیز کے لئے خود لڑکے والے ہی رقمیں دیتے پھریں۔" وہ اپنے آپ ہی سوچتی، اُلجھتی، کسمساتی رہی۔

دوسرے دن زمانی بیگم نے بڑی خوشی سے سرگوشی میں بتایا کہ نواب صاحب اِتنے اُتنے بھی نہیں پورے پچاس ہزار روپے اس کی شادی کے سلسلے میں بھجواتے ہیں —— اُن کی سانسیں مارے جوش اور خوشی کے اُتھل پتھل ہوتی جا رہی تھیں —— زندگی میں اتنی بڑی رقم اُنھوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی —— دیکھنے کا کیا سوال تھا سوچی تک بھی نہ تھی —— وہ تو تیرے میرے سے صرف نتھ اُترائی کے ہی زیادہ سے زیادہ بیس ہزار طے کرنے پر تلی ہوتی تھیں ——

ایک عجیب چمک دار خیال اُن کے ذہن میں طلوع ہوا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ نواب صاحب بٹیا کو بھلے بیاہ کر ہی سہی، لے تو جائیں لیکن چند روز بعد دل سے اُتر جاتے تو یہیں پھینک جائیں —— یہ پچاس ہزار تو مل ہی گئے —— پھر تو جب تک بٹیا کی جوانی باقی ہے۔ راتیں آباد ہیں، اور تجوری سہاگن کی طرح لدی پھندی ہے —— اے اللہ ایسا ہی ہو —— نواب صاحب کے دل پر سے بٹیا اُتر جاتے —— شادی کر کے لے بھی جائیں گے تو برابری

کا درجہ تو دیں گے نہیں ــــ ارے لاکھ گدھے کو گھوڑوں کے اصطبل میں باندھ دو، رہے گا تو وہ گدھا ہی ــــ اس نامراد کو محل کی خاندانی بیبیوں میں لے جاکر بٹھال بھی دیں گے تو رہے گی تو وہ بازاری اور طوائف زادی ہی ــــ وہ عزت کہاں ملے گی ــــ اور میں اپنا اتنا کُنبہ لے کر کہاں بھلا محلوں میں بٹھائی جاؤں گی ــــ ہم جیسیوں سے زیادہ سے زیادہ باہر ہی بیٹھکے آباد ہوتے ہیں ــــ گھر والی بننا کہاں ہم کو ٹھٹے ڈیرے والیوں کے نصیب میں۔

ماں کی دُعائیں خدا نے واقعی اثر رکھا ہے کہ قبولیت کا درجہ جلد ہی پالیتی ہیں۔

اُس دِن جمعرات کو زمانی بیگم حسبِ دستور اپنی لڑکیوں کی پلٹن کے ساتھ درگاہ تشریف جارہی تھیں ــــ حیا نہا کر اُٹھی تو جی کمناسا ہو رہا تھا ــــ زمانی بیگم نے دیکھا کہ مونہہ سُرخ ہو رہا ہے۔ لٹوں لٹوں موتی موتی پانی ٹوٹ رہا ہے ــــ سوچا ایسے بھیگے بالوں سے بُخاریں کہاں لئے لئے پھروں، ایسا ہی ہے تو اگلی جمعرات کو چلی جائے گی۔ اسے منع کر دیا۔ باہر جاتے ہوئے نہ کوئی زیور سنگھار ٹیارہ نہیں کرتی تھیں ــــ گلے سے ٹسّی ہاتھوں سے پہونچیاں اُتار کر بیٹی کے گلے، ہاتھوں میں ڈالیں، وہ ناں ناں کرتی ہی رہی۔ کہا "اب کہاں ٹیا صندوقچی کھول کر قفل چابی کرتی بیٹھوں"؛ لگے لگے پیروں سے پاؤں زیب بھی اُتار کر اس کے موم جیسے پیروں میں ڈال دئے ــــ اب بڑھاپا آیا تھا تب سے بجاتے بھاری پیتل کے گھنگروؤں کی جوڑیوں کے، یہی چاندی کے ہلکے وزن کے لیکن بجنے والے ریشمی گھنگرو والے پازیب، لڑکیوں کو رقص سکھاتے وقت پہن لیا کرتی تھیں ــــ حیا اَتنا نہ اُتنا۔ گھر میں زیور پہنتی ہی نہ تھی ــــ یوں گوندنی کی طرح لد گئی تو بے تحاشہ آئینہ یاد آیا۔ چھتّو نے زبردستی آنکھوں میں کاجل بھر دیا تھا، اور لالی کی اُنگلی ہونٹوں پر پھیر دی تھی ــــ موتی برساتے لانبے گھنے بال کھُلے پڑے پیٹھ پر، آگے پیچھے ہر طرف جھول رہے تھے ــــ آب رواں کا دوپٹہ تِی بنا گردن میں سر سرا رہا تھا ــــ کمر پر کسا ہُوا کرتا تھا گلابی رنگ کا۔ اسی رنگ کا تنگ پاجامہ ــــ پنڈلیوں کی ایماندارانہ پیمائش تبا تا ہوا گیلے جسم پر تنگ پاجامہ کس قیامت سے

چڑھتا ہے ـــــ غرارہ شلوار ہو تو کوئی بات نہیں ـــــ ڈھیلے ڈھالے سرسراتے پائنچے یوں آنکھ جھپکتے میں چڑھ جاتے ہیں۔ چُست پاجامہ اتنی ورزش کرواتا ہے کہ گالوں پر خون موجیں مارنے لگتا ہے ـــــ دہکتے ہوئے لال سُرخ گال جن کے اوپر کاجل بھری آنکھیں ہوتی ہیں ـــــ بیچ میں تیکھی سی ناک ہوتی ہے جس میں ننھی سی نتھنی جھلملاتی رہتی ہے، اور اس کے عین نیچے دو سُرخ سُرخ ہونٹ ہوتے ہیں جو اپنی جگہ خود ہی قیامت ہوتے ہیں ـــ لیکن محض لالی کی ایک اُنگلی پھیر کر دو آتشہ بنا دِتے جاتے ہیں ـــــ اور پھر مائیں ہوتی ہیں جو قفل، چابی اور تجوری کے عذاب سے بچنے کی خاطر یوں زیوروں سے لاد کر قیامت کو بہت پہلے ـــــ یعنی قیامت سے بہت ـ بہت ـ بہت پہلے ہی قیامت برپا کر جاتی ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر وہ لمحہ ـــــ وہ لمحۂ تنہائی، جو آدم اور حوّا کو کبھی جنت میں میسّر نہ آتا تو نسل نہ بڑھتی، دُنیا نہ چلتی اور یوں ایک اور کہانی وجود میں نہ آتی۔

جس کمرے میں حوّا تنہا کھڑی ہوئی تھی ـــــ آدم بھی اُسی لمحے آ پہنچا ـــ نواب شوکت یہ تو جانتے اور مانتے تھے کہ حیا بے حد حسین لڑکی ہے ـــــ بہت ہی خوبصورت بلا ہے۔ لیکن آج ان کا جی چاہا کہ کاش یہ بلا اُن سے چمٹ جاتے، اور بلا اگر اتنی مہربان نہیں تو وہ خود بلا کے گلے کا ہار بن جائیں۔

وہ ناں ناں کرتی رہی ـــــ منتیں کرتی رہی، سسکیاں بھرتی رہی اور وہ آنسوؤں اور لذتوں کے سمندر میں ڈوبتے، ابھرتے پار اُتر گئے۔

پہلی رات کی بیاہی ہو۔ جذبات کی ماری کنواری ہو، گناہوں کے دلدل میں پھنسی طوائف ہو یا کوئی سی عورت ہو، پلنگ کی پٹّی سے لگی شرماتی بیاہی، خدا سے ڈرتی کنواری پیسے گنتی طوائف یا سسرالیوں سے جھینپتی جھینپاتی ہو۔ عورت کو کوئی نہ کوئی وسوسہ، سیراب ہونے پر بھی پیاسا رکھتا ہے اور وہ یونہی پلنگ کے آس پاس یا کمرے میں ڈولتی پھرتی ہے۔ لیکن

اطمینان سے پار اُتر نے والا مرد سیدھا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور اس وقت بھی یہی ہوا جو دُنیا بھر کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے —— نواب صاحب گُھر گُھر کرتے ایک مطمئن بلّے کی طرح سو رہے تھے اور حنا گھٹنوں میں مونہہ چھپائے اپنے آپ سے چُھپ رہی تھی۔

"یہ کیا ہو گیا میرے خدا؟"

"یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا"

"میری ساری ریاضت، عبادت ایک ہی ریلے میں بہہ گئی۔

"عورت کو تُو نے اتنا کمزور کیوں بنایا؟ میں نے کتنا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی —— لیکن؟ اس نے پاس سوتے ہوئے نواب شوکت کو نظر بھر کر دیکھا —— لمبا، چوڑا تنومند جسم، سُرخ و سفید رنگ۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں۔ سر پر جھبنڈولے بال، نہ سیدھی مانگ نہ ٹیڑھی مانگ، لہر لہر بال اُلٹے جمائے ہوئے، پھر اُن کے مضبوط ہاتھ اور سُرخ و سفید لانبی لانبی اُنگلیاں، انگوٹھیوں سے سجی ہوئی۔ وہ جیسے جیسے اپنے آپ کو چھڑاتی جاتے، وہ انگوٹھیوں سے سجی مضبوط اُنگلیاں اسے بے بس کئے جاتیں۔ ایسے کساوے میں کئے جانے کے بعد وہ کیسے اپنے پنج چھڑا پاتی؟ دُکھ اور ذلّت کی ایک لہر اُسے یہاں سے وہاں تک بھگو گئی —— آخر طوائف کی طوائف ہی رہی نا —— سہرے، توروں، باجے گاجوں، مہندی مائیوں، چڑھاوے، مونہہ دکھائیوں اور نکاح کے بولوں کے ساتھ دُلہن بننا کہاں نصیب ہوا آخر —— ؟ وہی ہوا جو تجھ ایسیوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے —— وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یہ شخص تو مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کر گیا تھا نا؟ آج اسی نے میرا انگ انگ کھول دیا! اسے وہ سب کچھ مل چکا ہے جو کوئی بھی بیاہتا دُلہن اپنے دولہے کو پہلی رات دیتی ہے —— اب اگر یہ مجھے ٹھوکر مار کر بھی چلا جائے تو میں اس کا کیا بگاڑ لوں گی؟

اس نے سسکی لے کر سرہانے لگے آئینے میں اپنا انار انار چہرہ دیکھا ــــ نتھنی بدستور ناک میں جھلملا رہی تھی۔

زمانی بیگم کے درگاہ شریف سے آتے آتے یہاں مطلع صاف ہو چکا تھا تو اب شوکت مونہہ پر پانی کے چھپاکے مار، پہلے سے کہیں زیادہ تازہ اور جوان بن کر جاتے جاتے ایک بار اور اسے بھرپور کساوے میں کس کر اور ہونٹوں کی آخری سرخ بوند تک نچوڑ کر ہوا ہو چکے تھے ــــ حیا گھبرائی گھبرائی سی، چُغل خور چادر کو حمام میں پھینک، بے ترتیب بستر کو پھر سے ترتیب دے، پھر سے حمام میں گھس گئی ــــ نہا کر نکلی تھی کہ عین اسی وقت ماں کی شکرام آکر دروازے سے لگی ــــ گئی تھیں تو لیٹیں موتی رول رہی تھیں ــــ آئی ہیں تب بھی زلفیں یونہی موتی بین رہی ہیں! وہ چونک گئیں ــــ یہ دو دو بار بلا ضرورت کے غسل کیسے؟ کمرے میں آکر بستر کو دیکھا ــــ پھر بیٹی کو دیکھا جو ہارمونیم سے شغف نہ ہونے پر بھی سُر جگاتی بیٹھی ہے۔

"بٹیا تبرک تو لے لو ــــ" انہوں نے نقل دانوں اور عودی کی پڑیا ہاتھ بڑھا کر اسے دکھائی، لیکن خود آگے نہ بڑھیں کہ وہ خود ہی چل کر آتے اور ڈگمگ چال سارے سربستہ راز کھول کر رکھ دیئے۔

حیا کانپتی، جھجکتی آگے بڑھی۔ ایک قدم۔ دو قدم۔ تین قدم۔

"بیٹی ــــ" انہوں نے انتہائی اطمینان سے کہا: "ایک مرتبہ بند قبا کھل جائے تو پھر نیک زندگی کے دروازے آپ ہی آپ بند ہو جاتے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے ــــ!"

انہوں نے جو کہا، حیا تو سمجھی ہی ــــ لیکن حیا کی چال نے اُن سے جو کچھ کہا وہ اُن کے ایک جملے سے ظاہر تھا۔

بڑی سخت حیرت کی بات یہ تھی ——— یا کم سے کم زمانی بیگم کو بے حد حیرت تھی کہ نواب شوکت نے باغبانی کر لینے کے بعد بھی کیاری سے موںہہ نہ موڑا ——— آنا جانا لگا ہی رہا ——— وہ اسی ذوق و شوق سے آتے ——— اسی لگن سے حیا پر واری بلہاری جاتے۔ وہی تحفے تحائف کی برسات، وہی نگاہوں سے موتیوں کے چڑھاوے ——— وہی ہونٹوں سے مُسکراہٹوں کی سوغاتیں ——— سب کچھ وہی تھا ——— ان کی وہی خاطر داریاں تھیں لیکن لگتا تھا، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ کھو ضرور گیا ہے۔

اور یہ "کچھ" جو کھو گیا تھا، حیا نے پا لیا ——— وہ بات یہ تھی کہ اب نواب شوکت نے پچاس ہزار دے چکنے کے باوجود شادی کی بات اُٹھائی ہی نہیں ——— اماں کو کیا غرض پڑی تھی کہ موںہہ سے پھوٹتیں ——— ان کے تو دل کی مُراد پوری ہو گئی تھی۔ نواب شوکت تو جیسے اس داستان کو یاد نہ کیا رکھتے۔ وہ تو موضوع تک بھول گئے تھے ——— رہی حیا وہ کیسے اپنے مُونہہ سے یہ کہہ دیتی کہ "آخر آپ مجھے بیاہ کر کب لے جائیں گے؟ اور جو کہہ بھی دیتی اور وہ موںہہ پھوڑ کر کہہ دیتے کہ بی بی تم سے جو موتی لینا تھا وہ تو لے چکے اب خالی سیپ لے جا کر کیا کرنا ——— تو وہ کیا کر لیتی ؟

اور اس دن حیا نے جانا کہ انسان کتنا سخت جان ہے ——— لوگ کتنی مُشکل سے مرتے ہیں ——— وہ تو مری بھی نہیں ——— نہ کانوں نے قوّتِ سماعت کھوئی، نہ آنکھوں نے ذوقِ بصارت کھوئی ——— حواس بھی اپنے حواسوں میں رہے، دِل کم بخت ایک لمحے کو ضرور اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا تھا ——— نواب شوکت جب زمانی بیگم سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کی آواز میں آج بھی وہ جادو ہے کہ چلتی ناری رُک جا نا۔ آپ کیوں نہیں گاتے؟"

زمانی بیگم ہنس کر انکساری سے بولیں :

"اے حضور ہمارا کیا ہے —— منہدم عمارت ہیں —— یہ اور بات ہے کہ بس تھوپا تھاپی اور لیپا پوتی سے کام چل جاتا ہے۔"

"نئیں نئیں۔ ایسی بھی کیا بات ہے —— منگنی کی تقریب میں آپ کو بھی گانا پڑے گا —— ہور حیا تو نا چیں گی ہی۔ ہے کی نئیں ——" وہ ہنس کر باری باری دونوں کو دیکھا کیے۔

منہدم عمارتوں پر بجلی گرے یا طوفان ٹوٹے وہ متاثر نہیں ہوتیں —— ہرے بھرے آشیاں پر تو تیز ہوا کا جھونکا بھی قیامت ڈھا دیتا ہے —— زمانی بیگم نے تو یونہی نظر اُٹھا کر بیٹا کو دیکھا لیکن حیا کی تو یہاں سے وہاں تک ساری فصل سوکھے کی نذر ہو گئی —— وہ بیٹھی نہ ہوتی تو گر جاتی —— بے حد اطمینان سے زمانی بیگم نے پوچھا :

"منگنی کی تقریب میں ہی بلوائیے گا بس —— اور حضور کی شادی خانہ آبادی کے جشنِ مبارک میں ؟" بڑی سادگی اور بھولپن سے وہ بولے :

"اممی حضور کی خوشی ہے کہ پہلے منگنی دھوم دھام سے کرنا۔ اس کے بعد شادی —— آپ لوگاں کو نئی بھلاتے کی چیز ہیں کیا۔"

جن نظروں سے حیا نے نواب شوکت کو دیکھا ہے ان نظروں نے کٹ سے کوئی چیز زمانی بیگم کے سینے میں توڑ کر رکھ دی —— آخر کو ماں تھیں۔ گبڑی گبڑی ہو کے اٹھیں اور اپنے کمرے میں جا کر بستر پر اوندھے موہنہ گر پڑیں —— آنسو نہ نکل جائیں، اس لئے مسکرا مسکرا کر سوچنے لگیں کہ نواب صاحب کی منگنی پر کون سا بنرہ زیادہ سہائے گا —— آخر منگنی پر بھی تو دولہا بناتے ہیں۔ تو پھر "بنا" بنے تو بنرہ گانے میں کیا حرج ہے۔ شادی کے دن پھر دولہا بنایئے گا۔ پھر سے بنرے گا لوں گی۔

"مرد کتنی ہی بار دولہا بنے، نیا کا نیا رہتا ہے اور عورت ——" اُنہوں نے آہ

بھر کر سوچا "ایک بار جو دُلہن بنتی ہے، بھلے تنہائی میں بن جاتے، جو نور ایک بار اُترتا ہے پھر مر کر بھی وہ نور نہیں اُترتا۔"

اِدھر پالا ماری ہوئی ٹھنی سے نواب شوکت بولے:

"تم شکر کرو حیا —— تمہارا عقد ہم کسی اچھے شریف آدمی سے کر دیں گے —— کیوں کی تم کو دلہن بن کر بیاہنے کا بہت ارمان ہے نا!"

"وہ شریف آدمی تو آپ بھی ہو سکتے تھے نواب صاحب ——" اس کا دِل بولا۔ مگر ہونٹ خاموش ہی رہے ——

"تم ہماری بات کو پسند نہیں کرے شاید ——"

بڑے ضبط کے ساتھ وہ بولی:

"اور عورتوں کے دِل کا تو مجھے پتہ نہیں —— لیکن میں نے اپنے دِل کی گزرگاہ کو بس اتنا ہی کشادہ رکھا تھا کہ اس میں سے دو قدم گزر سکیں —— آپ اس میں داخل ہو گئے اور میں نے وہ گزرگاہ ہی بند کر دی —— آپ تو بڑے خوش نصیب تھے نواب صاحب کہ ایسی محفل میں قدم رنجہ ہوتے جہاں آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی نہیں آیا۔ لیکن میں"۔ وہ سسک کر رو پڑی —— "میں کتنی بد نصیب تھی کہ آپ کے دِل کی دہلیز تک ہی پہنچ پائی —— داخلہ میرے لئے ممنوع تھا ——" ماحول کا سناٹا جان لیوا ہو گیا تو محض بات رکھنے کی خاطر انہوں نے بات کی:

"اصل میں امی حضور اپنی بھتیجی سے ہماری شادی کی بات پکی کر چکے تھے نا، اس واسطے . . . . ."

"نواب صاحب ——" وہ رہ رہ کر ٹوٹتی آواز میں بولی: "کچھ عورتیں کچھ مردوں سے تھوڑی سی محبت کرتی ہیں —— بہت ساری عورتیں بہت سے مردوں سے بہت سی محبت کرتی ہیں —— لیکن جیسی محبت میں نے آپ سے کی —— سوچتی ہوں دنیا کی پہلی

اور آخری عورت بس میں تھی جو ایسی محبّت کر سکی ـــ شاید کاتبِ تقدیر نے لفظ محبت لکھ کر قلم کی نوک میرے ہی دل میں توڑ دی تھی - اس کے بعد ـــ اس کے بعد پھر یہ لفظ کبھی لکھا گیا ـــ نہ شاید لکھا جائے ـــ"

وہ چلنے کو ہوئے تو آنکھوں میں ایک ساتھ آنسوؤں کے ستارے اور مسکراہٹوں کی دھوپ لئے وہ بول اٹھی :

"آپ کی منگنی کی تقریب اور شادی خانہ آبادی کے جشنِ مبارک پر میں ضرور آؤں گی ۔ اور ناچوں گی بھی اور گاؤں گی بھی - اپنے محبوب کے لئے کیا میں اتنا بھی نہیں کر سکتی ؟"

لیکن منگنی کی تقریب آتے آتے حیا کی متلی اور اُلٹیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ـــ آنسوؤں کا سلسلہ تو مدّت سے شروع ہو چکا ہے ۔

ایک پیالے میں کچے پپیتے کا عرق ـــ دوسرے میں گُڑ، زعفران، قلمی، لونگ، گول سیاہ مرچ کا کاڑھا لئے زمانی بیگم اس کے سرہانے کھڑی تھیں ۔ ـــ "لے نامراد ـــ ایک ایک کر کے دونوں پیالے چڑھا لے اور اس بے مروّت اور ظالم کی ہر یاد اور نشانی پیٹ سے اور دل سے نکال دے ـــ" دھواں دھواں چہرہ اُٹھا کر بیٹی نے ماں کو دیکھا ۔

"آپ بھی اماں یہی سمجھتی ہیں ـــ آپ بھی اماں ـــ" زمانی بیگم نے منہ پھیر لیا ۔ نو مہینے پیٹ میں رکھنا آسان ـــ کڑے درد سہہ کر پیدا کر لینا وہ بھی آسان ۔ لیکن یہ نظر، ایسی نظر ؟ یہ نہیں سہی جاتی میرے مولا ـــ ماں پن کی سب سے کڑی منزل یہی ہے اولاد کا دُکھ ۔ وہ بڑے رسان سے، دُکھوں سے ٹوٹے لہجے میں بولی :

"اماں ـــ میں اپنا بچہ ضائع نہیں کروں گی ـــ" وہ اوپری دل سے غصّہ ہوئیں ۔

"کم بخت ـــ اب تیرا مذہب ـــ تیری تعلیم ـــ تیرے وعظ ـــ تیرے

دلائل کہاں گئے ــــ زنا کر کے بیٹھی ہے۔ پتہ ہے مذہب میں زنا کی سزا کیا ہے؟ اس کی کوئی معافی بھی نہیں ہے ــــ"

"جانتی ہوں اماں ــــ بہت نہیں جانتی مگر تھوڑا بہت تو ضرور جانتی ہوں زنا کی سزا سنگ ساری ہے ــــ ہے نا؟ اب ساری زندگی مقدّر مجھ پر سنگ باری کرے گا ــــ سزا تو مجھے بہرحال مل گئی نا ــــ خُدا بھی تو دو سزائیں ایک گنہگار پر جمع نہیں کرتا۔ پھر آپ یہ پیالے پلا کر مجھے کیوں اس جنّت سے محروم کرنا چاہتی ہیں جو زندگی بھر کی سنگ ساری کے صلے میں میرے قدموں تلے تعمیر ہو گی ــــ نہیں اماں نہیں ــــ زندگی بھر آپ سے کچھ نہیں مانگا ــــ بڑی صابر بیٹی اللہ نے آپ کو عطا کی ہے ــــ آج وہ صابر بیٹی بھکارن اور ندیدی بن کر ممتا کی۔ کوکھ کی بھیک مانگتی ہے ــــ اماں میری محبت کی نشانی مت مٹایئے۔ میری اماں ــــ میری اچھی، میری پیاری اماں۔"

مُدّت گزرنے پر حیا نے ایک گڑیا سی خوب صورت بیٹی کو جنم دیا اور جس دن وہ چلّہ نہا کر اُٹھی ہے، اسی دِن نواب شوکت کی شادی پڑی۔

زمانی بیگم ہاں ہاں کرتی رہ گئیں ــــ اور حیا نے جو سدا سنگھار پٹار زر زیور سے دُور بھاگتی تھی ــــ روایتی دُلہنوں اور سُہاگنوں سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو سجایا سنوارا۔

"اری نامُراد کچّی زچہ ہے ــــ چھوڑ کس کم بخت کے پھیر میں پڑی ہے۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں گے ــــ زندگی بھر اپاہج بن کر رہ جائے گی، لیکن حیا آج کوئی بات سُننے کی رَوادار نہیں تھی۔

وہی شان دار ہال تھا ــــ وہی سلیقہ وہی قرینہ ــــ لیکن آج اُس دِن سے بھی سوا سجاوٹ تھی، اور مہمانوں کا جمِ غفیر ــــ بھرے توروں اور بدمیوں میں شرمے شرمائے

دتی سے موتہہ چھپائے ـــــ خوشبوؤں میں بسے دولہا میاں نواب شوکت زرکار مسند پر براجمان تھے ـــــ برابر میں چھوٹے سالے سالیاں آرزو بازو دوست احباب ـــــ زنانے میں الگ ہلورمچی ہوئی تھی ـــــ چلمنوں کے پیچھے سے مہمان بیبیاں ایک پہ ایک ٹوٹی پڑ رہی تھیں ـــــ دلہن کو وہیں ایک مسند پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا ـــــ حیا کی نظریں بار بار چلمن سے الجھتیں۔ پھر وہ اپنا آپ سنبھال لیتی ـــــ آخر سینے میں رکتے دھڑکتے دل کو تھام کر اس نے ماں کو اشارہ کیا اور گویا ہوئی :

" اماں ـــــ آج میں تال آڑا چوتالہ پہ ناچوں گی ـــــ"، زمانی بیگم نے ہول کر اسے دیکھا ـــــ

" تال آڑا چوتالہ ـــــ ؟ بیٹی پاگل ہوئی ہو ـــــ چودہ ماتروں کا ٹھیکہ ہے، سنبھال نہ پاؤ گی ـــــ "

وہ چلائی : " نہیں اماں ـــــ آج یہی رقص ہوگا "

" مشکل ہے بیٹی ـــــ "

" اماں آپ تو نبض کی دھک دھک میں بھی لے اور تال پیدا کرتی آئی ہیں ـــــ آج دل کی تال پر بیٹی کو آزما لیجئے ـــــ میں ناچوں گی اماں ـــــ آپ گت شروع کیجئے "

" چھمن خاں ـــــ"، زمانی بیگم نے اشارہ کیا : شروع کیجئے تال آڑا چوتالہ ـــــ اور انہوں نے تالی بجانے کے لئے چوڑیاں پیچھے کھسکانی شروع کیں : " بہتر بی بی "، چھمن خاں سعادت مندی سے بولے اور شروع ہو گئے۔

دھن۔ تت کٹ دھن دھن نانا کت تاتٹ کٹ دھن دھن دھاگے نادھا تٹ کٹ دھن ـــــ

ساتھ ہی گھنگرو چھن چھنائے اور جیسے پانی پر بہتی، گھمیریاں ڈالتی ـــــ بل کھاتی، لچکتی، تیرتی، ڈولتی۔ سامعین کو سحر زدہ کرتی وہ دنیا و مافیہا سے خود بھی بے خبر ہوتی گئی۔

پہلے اس کا ایک بالہ گرا —— کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی کے عالم میں اسے وہ خوب صورت واردات یاد آئی جو رنگین بھی تھی اور سنگین بھی جب اس کا ایک بالہ ان کے جگمگاتے بٹنوں کی زنجیر سے اُلجھ گیا تھا —— پھر دو مضبوط ہاتھوں نے دوسرا بالہ بھی اُتار لیا تھا —— پھر وہ خوب صورت، زندگی بھر ساتھ دینے کا وعدہ کرنے والے ہاتھ، دھیرے دھیرے اس کے کنوارے جسم کے نشیب و فراز پر سرسرائے تھے —— ہونٹوں نے دھیمی دھیمی محبت بھری سرگوشیاں کی تھیں —— آج وہ ہاتھ —— وہ خوب صورت ہاتھ اور مضبوط ہاتھ وہی سرگوشیاں دُہرائیں گے —— ہاتھ وہی ہیں، ہاتھوں کی گرفت میں آنے والا چہرہ بدل گیا ہے۔

رقص کی لَے اور تیز ہوئی —— اس کے گلے کی مالا ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی —— اسے پھر سے وہ جان لیوا گھڑی یاد آ گئی —— اماں کی لُسّی کی دیکھتے ہی دیکھتے گیتاں بن گئی تھیں —— دھیرے دھیرے لذّت سے بھرے ہاتھ اس کے سراپے پہ رینگے اور مدھم سی سرگوشی: "آج یہ جسم ہمارا ہے —— اس پر کوئی زیور نہیں رہے گا —— زیور تمہارے بدن کو چھوئیں؟ نہیں ہمیں زیوروں سے حسد ہوتا ہے ——" اور ایک ایک کر کے سارے زیور جلا وطن یا جلا بدن کر دئے گئے تھے —— آج ہاتھ وہی ہوں گے لیکن ایک اور بدن ہوگا جس کے روئیں روئیں سے بھی یہی الفاظ دہرائے جائیں گے۔

پھر وہ اتنا تیز ناچی —— اتنا تیز ناچی کہ گھنگرو ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے، اور تال کا آخری چکر جب ختم ہوا تو سارے ہال میں ایک ایسا سنّاٹا تھا جیسے وہاں کوئی ذی ہوش تھا ہی نہیں۔

وہ یوں ہی سر نیہوڑائے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی —— اس نے کب رقص ختم کیا تھا وہ خود سے گری تھی یا اُسے کسی نے تھام کر یوں بٹھا دیا تھا۔ وہ ہر بات سے بے خبر تھی —— صرف ایک بات کا اسے علم تھا کہ یہ رات —— آج کی رات —— آج کی سہاگ رات۔ جو اس کی زندگی میں آنے والی تھی، کسی اور کے حساب میں لکھ دی گئی ہے —— قسامِ ازل

یہ تیری کیسی بھول ہے؟

داد و تحسین کا یہ عجیب انداز تھا کہ نہ کسی نے تالیاں بجائی تھیں نہ کسی نے واہ وا کی تھی ـــــ بس ہر طرف سانسوں کا سناٹا تھا ـــــ اس نے بڑی مشکل سے نگاہیں اٹھا کر دولہا کی جانب دیکھا۔

"میری سہاگ رات ایسا قرض ہے جو تم کبھی ادا نہ کر سکو گے نواب۔"

ایک دم کسی نے تعریف کے جذبے سے چور ہو کر کہا "ارے موہنہ کیا دیکھتے جی۔ جیا ڈومنی کو اشرفیوں سے چھپا دیو ـــــ کیا ناچی ہے کی واہ ـــــ پاتر ہو تو ایسی ـــــ ابھی تک تو دل شیشہ ہی تھا ـــــ اس وار سے کرچی کرچی ہو کر سارے بدن میں بکھر گیا ریزہ ریزہ ہو گیا ـــــ اس نے ڈوبتی نگاہوں سے نواب دولہا کی طرف دیکھا۔

"اک تم سہارا دے دیتے تو میں محل کی عزت بن جاتی۔ آج تم نے ہاتھ چھوڑ دیا تو میں بازار کی چیز بن گئی ـــــ ڈومنی! سچ تو ہے ـــــ میری یہی اوقات ہے یہی رہے گی ـــــ" وہ محل کے شور شرابے کو خواب کے سے عالم میں دیکھتی رہی، جیسے اس کی اپنی آنکھیں نہ ہوں۔ کسی اور کی ہوں۔

پھر محفل اکھڑنے لگی کہ دولہا میاں زنانے میں بلائے جا رہے تھے ـــــ وہاں آمنے سامنے دولہا دلہن بٹھائے جائیں گے ـــــ رونمائی ہو گی، دلہن کو اشرفیاں روپے، زیور ملیں گے ـــــ دولہا کو سلامیاں ـــــ رومالوں میں چکنی چھالیہ، لونگ، الائچی چاندی سونے کے ورقوں میں مڑھی ہوتی ـــــ بیچ میں جگر مگر کرتی اشرفیاں انگوٹھیاں ـــــ جب یہ سب ہو جائے گا تو بھابیاں، رشتے کی سالیاں، سلجیں، کنواری بیاہی لڑکیاں سب گھس پڑیں گی کہ آخری رسم انجام دی جائے ـــــ تب دولہا میاں دلہن کا گھونگھٹ اٹھا کر اس سے آنکھیں کھولنے کی التجا کریں گے۔

"بی بی ـــــ آنکھیں کھولو ـــــ میں تمہارا غلام ـــــ"

تصوّر کی حدیں اُسے وہاں لے گئیں جہاں دُولہا کے ہاتھ میں دُلہن کا زرتار سُرخ گھونگھٹ تھا ـــــ وہ چلاّئی۔

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ نہیں ـــــ یہ ظلم ہے ـــــ یہ ظلم۔ یہ قتل ہے ـــــ یہ خون ہے ـــــ یہ میرا قاتل ہے ـــــ یہ میرا خون ہے۔۔۔۔۔" پھر وہ دھیرے دھیرے سسکنے لگی ـــــ "مالک میرے ـــــ تیری کتاب کو میں نے ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے اے الرحم الرحمین تو نے ہی تو قصاص کا مسئلہ رکھا ہے ـــــ تُو نے تو خود خون کا بدلہ خون رکھا ہے ـــــ قتل کا بدلہ قتل ـــــ قصاص ـــــ پھر آج تیری دُنیا میں جو میرا ـــــ مجھ بے گناہ کا قتل ہوا ہے اس کا قصاص میں کس سے لوں ـــــ کیسے لوں۔۔۔ کیسے۔۔۔ کیسے۔۔۔"

سُسرالیوں کے جلو میں دُولہا میاں زنانے میں چلے گئے اور وہ سنگِ مرمر کے خوبصورت فرش پر ایک خوبصورت مورتی کی طرح پڑی رہ گئی۔

"**تیرے** عدّت کے دن پُورے نہیں ہوتے بٹیا ابھی تک" زمانی بیگم نے بیٹی کا مُرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنے دِل کی ہائے نواب شوکت پر ڈالی۔

حیا بی بی کا مونہہ دُھلاتے ہوئے دہل کر بولی: "اللہ نہ کرے اماں جو میں عدّت کے دن گزاروں۔ مری تو میں ہوں ـــــ خدا ان کو سلامت رکھے۔

"ایسی دیوانگی دیکھی نہ سُنی ـــــ نامراد نے آنکھوں دیکھتے ایک دِل اُجاڑ کر گھر بسا لیا۔ اور تو اسی کے فراق میں مری جا رہی ہے۔"

"مر چکوں تو چین ملے۔ اب دُنیا میں دِل نہیں لگتا اماں۔"

"صبر کر بیٹی ـــــ لوگ مرے کو صبر کرتے ہیں تو جیتے کو صبر کر لے۔"

"صبر تو کر لوں اماں ـــــ لیکن کتنا؟ آخر کب تک ـــــ کوئی مجھے حد بتا دے۔"

زمانی بیگم کا کلیجہ کٹ کٹ گیا۔

"اماں اتنا بڑا دھوکا بھی کوئی کرتا ہے ـــــ اماں اللہ میاں نے سینے میں دل اور ضمیر جیسی بھی ایک شے بنائی ہے نا ـــــ اماں انہیں کبھی خیال آتا ہوگا کہ کیسے محبت بھرے دل کو انہوں نے توڑا ہے ـــــ اماں ہنستے بولتے کبھی یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ کسی کے ہونٹوں کی ہنسی ہمیں نے چرائی ہے۔ اماں ـــــ ایک بار دلہن بنا کر لے جاتے ـــــ پھلے بعد میں طلاق دے دیتے، میرا سہاگ چڑھنے کا ارمان تو نکل جاتا۔ اماں ـــــ اماں ـــــ اماں...." زمانی بیگم اس کا پاگل پن دیکھ کر ہونقوں کی طرح اس کا موتہہ تکتیں۔ سوچتیں جتنی بھی بک بک کرلے اچھا ہے۔ اپنے آپ ہی سوچ سوچ کر گھٹتی رہی تو پاگل ہو جائے گی۔

ایک دن پھر سے حیا نے دلہنوں کا سا سنگھار کیا ـــــ خوب اپنے آپ کو سجایا سنوارا ـــــ خوب زیور پہنے ـــــ ماں سے کہا ایک شکرام منگوا دیں ـــــ وہ حیرت سے دیکھنے لگیں اور بولیں:

"اماں ـــــ پتہ نہیں کیوں اندر والا دل کہتا ہے کہ شادی انہوں نے اپنی امی حضور کے تقاضوں سے تنگ آکر کی ہے۔ وہ بھی میری ہی طرح اداس رہتے ہوں گے۔ آج بری طرح ایک نظر دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ انہی کے ہاں جا رہی ہوں ذرا۔"

ماں نے دہل کر اسے دیکھا: "اری پاگل اسی لاڈے میں پڑی تھی تو ٹھیک تھا کہ وہ بھی اداس ہوں گے ـــــ اب جاکر خوش و خرم پائے گی تو انگاروں پر لوٹتی پھرے گی۔ کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہے۔ نہ جا نامراد رک جا ـــــ"، ان کے دل کی صدائیں دل سے باہر نہ آپائیں ـــــ وہ دکھے دل اور بھیگی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا کیں جو چوتھی کی دلہن بنی بنی سسرال جا رہی تھی۔

شکرام کے رکتے ہی ایک بے پناہ قہقہے نے حیا کا استقبال کیا۔ بلاشبہ یہ نواب شوکت کی آواز تھی ـــــ اسے اس خیر مقدم کی توقع نہ تھی ـــــ شکرام والے نے زنانی سواری کا جا کر کہا تو مصاحبین میں سے کسی نے کہا کہ زنانے دروازے سے لے جاؤ لیکن

حیا نے پھر سے کہلوایا کہ اسے باہری رُکنا ہے ـــــ دو ایک مصاحبین نے پھیرے کیے۔ وہ پردے کے اندر ہی سے جواب سوال کرتی رہی۔ آخر اُس نے دھیرے سے کہلوایا۔

"نواب صاحب سے کہہ دیں کہ تخلیے میں ملنا ہے۔"

نواب شوکت بھونچکے سے رہ گئے ـــــ شادی شدہ آدمی ـــــ عزت دار نواب یہ کون بے حیا عورت ہے جو خود سے کہہ رہی ہے کہ تخلیے میں، تنہائی میں ملنا ہے ـــــ خود ہی اُٹھے اور بڑا ہال طے کرتے ہوئے سیڑھیوں کے اوپر ہی زینے پر رُک کر شکرام والے سے بولے:

"اُنوں نام کیا بتائے؟"

شکرام والا مُڑ کر بولا: "پاتشا اُنوں پوچھ رئیں آپ کا نام کیا ہوتا؟" حیا نے شکرام کا پردہ ذرا سا اُٹھایا اور نواب شوکت پر بجلی سی گر پڑی۔

"تم؟ حیا! یہاں محل میں؟ بلا مطلب ـــــ بلا کام؟ لوگاں ہمارے مُتعلّق کیا سوچیں گے؟" وہ مُسکرائی۔

"اندر آنے کی اجازت ہے سرکار کی؟" وہ بار بار حیا سے مِل چکے تھے اور انہوں نے خاص طور سے یہ بات محسوس کی تھی کہ لاکھ وہ طوائف تھی اور ناچنا گانا اس کا پیشہ لیکن اس کے اندازِ گفتگو میں بازاریت اور وہ روایتی طوائف پن نہ تھا بلکہ گھریلو پن اور شرافت تھی جو خاص خاندانی بیبیوں کا طُرّۂ امتیاز ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت اس نے جس طنز بھرے انداز سے انہیں ایک بازاری عورت کی طرح "سرکار" کہہ کر مُخاطب کیا تھا اس نے، اس اندازِ گفتگو اور اندازِ تخاطب نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا ـــــ اب نہ کہنے یا بہانہ بنانے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

"آئیے ـــــ آئیے ـــــ" انہوں نے بھی خاصے تکلّف کے ساتھ جواب دیا۔ حالانکہ وہ اتنی بار مِل چکے تھے اور تکلّف کی دیواریں اس حد تک ڈھے چُکی تھیں کہ وہ مُدتوں

نے "تم" ہو چکی تھی۔

وہ اپنے اسی قاتل اور جان لیوا انداز میں جیسے لہروں پر بہتی چلی آئی ہو۔
آئی اور اِدھر اُدھر دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھئے ——" نواب صاحب نے کوئی خاص کھلے دل سے نہیں کہا۔

"یہی سوچ رہی تھی کہاں بیٹھوں —— ایک زمانہ تھا کہ مستقل آپ کے دل میں قیام تھا۔ جو اتنی بلندی پر بیٹھ چکا ہو —— اسے فرش اور مسند کتنے حقیر نظر نہ آتے ہوں گے!" نواب شوکت سخت بُرز ہو رہے تھے۔ "بہر حال! وہ دھیرے سے ایک کوچ پر بیٹھ گئی —— دل میں اتر جانے والی آنکھیں ان کی طرف اٹھا کر بولی ——

"پتہ ہے آپ کی بیٹی کا نام میں نے کیا رکھا ہے؟" نواب صاحب جو خود بھی بیٹھ چکے تھے، ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوتے

"ہماری بچی؟" وہ سخت غصے میں بولے۔

"یہ کیا حماقت ہے ہم کو آپ سے ایسے مزاح کی توقع نہیں تھی"

"مذاق ——" وہ تیکھے لہجے میں بولی: "جس حقیقت کو ایک مجھ جیسی عورت اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھتی ہے —— مرد ہمیشہ اسے مذاق ہی سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ سہرے تورے کے لوازمات اور نکاح کے چند مقدس بول اس عورت اس بازاری عورت کا مقدر نہیں ہوتے جس قبیل سے میں تعلق رکھتی ہوں"

"اب آپ بس یہ بتایئے کہ آپ کے واسطے ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

اس نے بے حد ترسے ہوئے لہجے میں کہا: "میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ صرف آپ کے قدموں میں رہنے کی سعادت چاہتی ہوں" نواب صاحب جھنجلا کر بولے:

"دیکھئے حیا بیگم —— ہمارا خاندان نوابوں کا کتنا عظیم الشان اور نامور خاندان ہے —— ہم یہ نہیں بولتے کہ ہمارے خاندان میں کوئی رنڈی بازی نہیں کرایا، ناچ گانے سے

شوخ نہیں فرمایا ــــ پر یہ بھی نہیں ہوا کہ کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ــــ آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ــــ" حیا کا چہرہ غصے سے تپ گیا ــــ وہ کھڑی ہو کر تیزی سے بولی :

"معاف کیجئے گا نواب صاحب ــــ میں آپ کے خیالات کو اتنا گھٹیا نہیں سمجھتی تھی کہ میرے مطالبے کو آپ ایک رکھیل کا درجہ دے دیں گے ــــ میں تو آپ سے صرف قربت کی خواہاں تھی ــــ میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں چاہا کہ آپ مجھے ایک نظر دیکھ بھی لیں، میں محبت کی ماری تو صرف اس لئے آپ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی کہ میں آپ کو دیکھ سکوں ــــ ان پیاسی اور بے قرار آنکھوں کی پیاس بجھا سکوں جنہوں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد، کسی کو نہیں دیکھا، نہ دیکھنا چاہیں گی ــــ آپ اگر بلند نظر ہوتے تو یوں بھی سوچ سکتے تھے کہ میں آپ کی ماما بن کر بھی تو رہ سکتی ہوں لیکن آپ کے خیالات کی پستی آپ کو کس قدر نیچے لے گئی ــــ یہ بھی !

"ہم یہ بھی گوارا نہیں کر سکیں گے کہ آپ کو اس محل میں کسی بھی حیثیت سے رکھیں ــــ آپ خوبصورت ہیں۔ جوان ہیں ــــ ہمارے نظر اں کبھی بہکے تو ہماری گھریلو زندگی متاثر ہو سکتی ہے ــــ اب ایک لڑکی جس کے ماں باپ چھٹا کو اپنی محبت اور بھروسے پر اس کو یہاں لائے، اُس محبت کو کیسا جھُوٹا ٹھیرانا ــــ"

حیا دھیرے دھیرے چلتی اُن کے قریب ــــ اور قریب ــــ اور قریب آئی اپنا سر اُٹھا کر اُن کا بلند و بالا وجود دیکھا۔ اور ان کی آنکھوں میں سیدھی دیکھتی ہوئی بولی :

"پھر سے یہ ساری باتیں دُہرائیے ــــ آپ کے موہنہ سے اچھی لگتی ہیں ــــ"

نواب صاحب سٹ پٹا گئے ــــ انہیں وہ سارے وعدے یاد آ گئے جو انہوں نے اپنی بیوی سے پہلے بھی کسی لڑکی سے کئے تھے اور وہ لڑکی اس وقت ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مطالبہ کر رہی تھی ــــ "پھر سے یہ ساری باتیں دُہرائیے آپ کے موہنہ سے اچھی لگتی ہیں"

"آپ مجھے اس قدر گری ہوئی عورت سمجھتے ہیں نواب صاحب کہ میں کسی بھی طرح آپ یا آپ کی بیگم صاحبہ کی زندگی میں کانٹا بن کر کھٹکوں گی ـــ؟" وہ ان کی خاموشی اور مجبوری کو دیکھ کر خود ہی بول اُٹھی تھی :

"آپ کو ایک بات بتاؤں ؟ عورت اپنی فطرت میں خدا سے بے حد قریب ہے۔ خُدا بھی اپنی خدائی میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا اور عورت بھی اپنی زندگی اور اپنی دُنیا میں کسی کی شراکت نہیں برداشت کر سکتی ـــ آپ کی بیگم صاحبہ میرا وجود نہیں برداشت کر سکیں گی تو میں خود انہیں کہاں برداشت کر سکوں گی ؟ یہ تو میں صرف آپ کو آزما رہی تھی دیکھ رہی تھی کہ میرا چاہنے والا میری محبت میں کتنا اونچا ہے ؟" آراستہ و پیراستہ شاندار محل کے اسی شاندار کمرے میں بس دو متنفس تھے اور سانسوں کا زیر و بم ـــ بڑی دیر بعد نواب صاحب بولے :

"آپ کے لئے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ـــ پھر بھی آپ کچھ چاہیں تو ...."

" وہ مسکرائی : "آپ صرف مجھے ایک سوال کا جواب دے دیں ـــ مجھے سب کچھ مِل جائے گا"

نواب صاحب تجسس کے مارے سراپا سوال بن گئے ۔

"کون سا سوال ـــ؟"

"کیا آپ اپنی موجودہ زندگی سے خوش ہیں ـــ؟ آپ کو کسی بات کا غم یا پچھتاوا تو نہیں ؟"

نواب صاحب کے تنے ہوئے اعصاب پرسکون ہو گئے تھے اور بڑی دیر بعد ان کے چہرے پر ذرا سی اطمینان بھری مسکراہٹ بھی آ گئی ۔

"خُدا کا کرم ہے کہ ہم بے حد خوش ہیں اور غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

سرسراتی آگ کی لپٹیں جانے کہاں کہاں سے آکر اس کے وجود کو جھلسنے لگیں ۔

"ہم بے حد خوش ہیں ——"

"ہم بے حد خوش ہیں —— "غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

میری زندگی کو غموں کا سدا بہار جہنم بنا کر یہ شخص کتنا مطمئن ہے —— کتنا پُر سکون ہے —— اے خدا عورت کو تو نے اتنا مجبور کیوں بنایا؟ ان دیکھی آگ کی لپٹوں نے بڑھ بڑھ کے اس کے وجود کو تپا دیا —— وہ سلگ اُٹھی —— اب اسے کیا لینا تھا —— محبت کا صرف ایک بول، گزرے لمحوں کی ایک خوب صورت یاد —— خوب صورت یادوں کا صرف ایک لمحہ اسے زندگی سے ہمکنار کر سکتا تھا —— وہ اپنی ساری کلفتیں، ساری رنجشیں، سارے غم، سارے آنسو بھول جاتی، اگر یہ شخص غمگین ہو کر سر جھکا لیتا —— خاموش رہ جاتا —— یا دکھ بھری بوجھل آواز سے صرف اتنا کہہ دیتا۔

"ایسا جان لیوا سوال کیوں پوچھتی ہو؟"

واپسی کے سارے راستے زندگی نے بند کر ڈالے —— وہ یوں ہی احساسات سے عاری، انہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی —— پھر وہ اُٹھے —— طلائی کام والے سلیم شاہی جوتے پہنے —— بڑے سے ہال کے کونے میں گئے —— آہنی تجوری کو چابی لگا کر اپنی مضبوط اور لانبی انگلیوں کے دباؤ سے گھما کر، پٹ کھولا —— پٹ کھلتے ہی اندر آگ سی دہکی —— دھوپ سمان سونا کرنیں بکھیر رہا تھا —— انہوں نے اشرفیاں گننی شروع کیں پھر انہوں نے ایک سرخ تھیلی میں وہ ساری اشرفیاں بھریں —— تجوری بند کی —— واپس مڑے تو جیا تلوار کی طرح تنی ان کے راستے میں کھڑی ہوئی تھی۔

"تاریخ رضیہ سلطانہ کا نام اپنی یادوں میں ہمیشہ محفوظ رکھے گی کہ اس نے اتنی عظیم الشان سلطنت پر بادشاہت کی تھی ——" وہ حیرت سے دیکھا کیے۔ وہ سناتی گئی: "لیکن کوئی مورخ مجھے یاد نہیں کرے گا نہ تاریخ میں میرا نام ہی سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا —— حالانکہ میں نے بھی رضیہ سلطانہ کی طرح بادشاہت کی ہے ——

اس نے تو محض سلطنت پر حکومت کی ہے، میں نے تو اس عظیم الشان اور بے مثال تخت پر تاجوری کی ہے جسے ایک مرد کا دل کہتے ہیں ——— شوکت نواب! اپنے حسابوں میں بھی ایک ملکہ ہی رہی ——— ایک ایسی سلطنت میری ٹھوکروں میں رہی جسے میں چاہتی تو ایک دھکے سے چُور چُور کر دیتی ——— لیکن میں، جو بنیادی طور پر ایک عورت تھی، عورت ہی رہی ——— فنِ سپہ گری مجھے نہ آیا یا ——— تباہ و تاراج کر دینے کی ادا میں نہ اپنا پائی ——— قوموں کی زندگی کی بات میں نہیں کرتی، لیکن فردوں کی زندگی میں عورت کی ایک نگاہ ——— محض ایک نگاہ نے ہرے بھرے باغ اجاڑ دیے ہیں، ہنستے کھیلتے گھرانے برباد کر دیے ہیں اور میری نگاہ! نواب شوکت تم جانتے ہو میری نگاہ کا مول کیا ہے! یہ تلوار ایسی تلوار تھی جس کی کاٹ ہی نہیں تھی، لیکن تمہاری خاطر میں نے یہ کُند کر لی تھی، کیوں کہ اگر یہ صیقل ہو جاتی تو ایک مقتل بپا ہو جاتا ——— اور مجھے تو صرف ایک ہی کا ہو کر جینا تھا ——— وہ ایک ——— کہ میں تو اس کی ہو گئی ——— وہ ہی میرا نہ ہو سکا ——— شاید برسوں گزرنے پر داستاں در داستاں، زباں در زباں، نانیاں، دادیاں دونوں ہی کہانیاں سنائیں گی اور مسافر راستہ بھولیں گے ——— تب کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی لمحے اس داستان کو سن کر کوئی بھولا مسافر راستے سے بھٹکا، مسافر میرا راز پالے گا ——— میری دفن شدہ محبت کو ڈھونڈھ نکالے گا اور تب سننے والے کہیں گے جس کی کہانی سن کر لوگ آج راستہ بھول گئے ——— وہ خود کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی!"

بولتے بولتے وہ اچانک رک گئی ——— اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری ہو گئی وہ آگے بڑھی ——— نواب شوکت کے قریب پہنچ کر بولی۔

"میں کس راستے پر چلوں نواب شوکت! مجھے بتاؤ میں کس راستے پر چلوں؟ وہ تو تب کی بات ہے جب میری کہانی سن کر لوگ کہیں گے کہ وہ کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی ——— لیکن آج جب کہ میری ساری راہیں گم ہو چکی ہیں ——— میں تم ہی سے سوال کرتی ہوں کہ

میں کس راستے پر چلوں ——— بتاؤ ——— جواب دو ؟" اور وہ نڈھال ہو کر وہیں گر پڑی۔

شوکت نواب نے خاموشی سے اُسے دیکھا۔ ڈرتے ہوئے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ اس کے قریب گئے اور اشرفیوں کی تھیلی اُسے دیتے ہوئے لجاجت سے بولے :

" اب خدا کے واسطے یہ رونا دھونا بند کر کے تم جلدی سے نکل کے چلے جاؤ ——— کوئی دیکھ لیا تو بہت بُرا ہو ئیں گا ———" حیا نے زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا :

" میری قیمت دے رہے ہو نا نواب ؟"

" فضول باتاں نکو کرو، پیسہ بہت ضروری چیز ہے ——— خوشی میں، غم میں ہر مصیبت میں ——— اس کے بغیر کام نہیں چلتا ——— اچھا چلو یہی سمجھ لو کی تمہاری قیمت دے رہے ہیں ——— مگر کام تو آئیں گا نا ——— دس ہزار اشرفیاں کم نہیں ہوتے "

حیا نے اشرفیوں کی تھیلی ہاتھ بڑھا کر تھام لی ——— اتنی وزنی تھی کہ اس کا ہاتھ ڈول گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے تھیلی سنبھال لی۔

" آپ کی کس کس عنایت کا شکریہ ادا کروں آخر ——— الفاظ ایسے موقعوں پر کس قدر حقیر ثابت ہوتے ہیں ———" نواب شوکت کچھ نہیں بولے ——— اس وقت ان کے ہر انداز سے یہ ظاہر تھا کہ کم بخت جلد نکل چلے ——— مر چلے ——— وہ اُن کے چہرے سے اُن کے جذبات پڑھ رہی تھی اور جان جان کر لمحوں کو طول دیے جا رہی تھی۔

دروازے کے قریب جا کر وہ پھر رُکی ———

" میں ہمیشہ اپنے آپ کو لفظوں کی ملکہ سمجھتی رہی کہ الفاظ جس کے حضور دست بستہ غلاموں کی طرح ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں ——— جیسے چاہوں حکم دوں اور وہ حاضر ہو جاتے لیکن آج میں خود کو تہی دامن پا رہی ہوں۔ آج میں ملکہ کی بجائے ایک کنیز سے بھی گئی گزری خود کو پا رہی ہوں ——— الفاظ رنگین تتلیوں کی مانند پروں کو لہراتے دور کہیں دور نکل چلے ہیں، اور میں خالی ہاتھ سوچتی کھڑی رہ گئی ہوں۔ الفاظ تتلیاں بن کر اُڑ گئے تھے تو اُڑ گئے

کم سے کم زبان تو میرا ساتھ دے دیتی ـــــ زبان نہیں تو آنکھوں کی زبان، جو صرف تم نے پڑھی ـــــ تم نے ہی سمجھی ـــــ اور تم نے ـــــ تم نے شوکت نواب تم نے ہی بھلا بھی دی ـــــ خدا حافظ ـــــ" وہ دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹتی اپنے ننھے منے وجود کو کانپتے تڑپتے وجود کو سنبھالتی ـــــ ہاتھوں میں اشرفیوں کی تھیلی کو مسوستی، سیڑھیاں اتر گئی تو شوکت نواب کے دل سے، ذہن سے اور یادوں سے بھی اتر گئی۔

شکرام میں بیٹھ کر وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی:

شکرام والے۔ تمہیں کچھ یتیم خانوں کے نام پتے یاد ہوں گے؟"

"جی ہو پاشا ـــــ" وہ بغیر مڑے نرمی سے بولا:

"جتنے بھی یتیم خانے تم نے دیکھے ہیں۔ باری باری مجھے سب جگہوں پر لے چلو۔"

"جیسا حکم پاشا کا ـــــ" وہ سعادت مندی سے بولا۔

شکرام جگہ جگہ رکتی گئی اور مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں وہ لٹاتی گئی ـــــ یتیم خانوں کے مہتمم اور نگراں حیرت زدہ سے اس مخیر اور حاتم طائی صفت لڑکی کو دیکھتے رہ جاتے جو بنا رسید کٹوائے یوں سونا لٹا رہی تھی۔

اس کے گھر کے دروازے کے پاس جب شکرام رکی تو اس نے سرخ تھیلی شکرام والے کے حوالے کر دی ـــــ جس میں بیس پچیس اشرفیاں کھن کھنا رہی تھیں ـــــ اس نے بے اعتباری کے عالم میں تھیلی میں جھانک کر دیکھا ـــــ جگر مگر اشرفیوں کو دیکھ کر وہ گنگ سا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ بول پایا۔

"نکو پاشا ـــــ میں غریب آدمی ـــــ کبھی امین صاحب (پولیس) دیکھ لیتے یا کوئی بھی جھوٹ سچ شکایت کر دیا تو مارا جاؤں گا ـــــ میرے کو کرائے کے ڈیڑھ روپے بس پاشا ـــــ"

وہ نرمی سے بولی: "میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں —— اور شکایت کون کرے گا؟ کسی کو پتہ ہو تب نا —— تمہارے اپنے سوا کون یہ بات جانتے چلا؟"

"باشا ——" وہ سراپا آنسو بن کر بولا: "میرے تو پشتاں راج کریں گے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دیں گا —— آپ کے سارے دل کے مراداں پورے کریں گا ——" وہ آگے بڑھتا، پیچھے مڑتا، سخت بے یقینی اور بے اعتباری کے عالم میں شکرام پر جا بیٹھا —— حیا نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔

"اے خدا تو گواہ رہیو کہ تو سب سے بڑا منصف ہے کہ آج میں ہر قرض سے سبکدوش ہوئی ——"

پازیب کی چھم چھم سُن کر زمانی بیگم حیا کے کمرے میں لپکی آئیں کیسی خوب صورت لگ رہی تھی —— نگاہ بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔

"کیا کرنے گئی تھی بیٹی ——" وہ دُکھے دل سے بولیں۔

"میں دُلہن بننے گئی تھی اماں ——" وہ پلنگ کی پٹّی سے ٹکی اتنی اُداس بیٹھی تھی کہ سارا ماحول غم میں ڈوب سا گیا تھا —— ہلکے سے مسکرا کر اس نے سر اُٹھایا۔

"اماں دُلہن بننا اتنی مشکل بات ہے؟ میں تو سمجھتی تھی زیورات سے سج کر سُرخ کپڑے پہن لے تو کوئی بھی لڑکی دُلہن بن جاتی ہے —— لیکن اماں پتہ چلا کہ اپنے دل کے خون سے بھی کپڑے رنگ ڈالو تو بھی سُہاگ کی سُرخی نہیں ملتی ——" وہ بیٹھی اپنی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتی رہی —— زمانی بیگم یونہی دروازے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں —— دوسرے کمرے سے لڑکیوں کی باتوں، ہنسی مذاق کی آوازیں آ رہی تھیں —— کوئی لڑکی شاید پیروں میں گھنگرو باندھے اِدھر اُدھر آ جا رہی تھی —— زمانی بیگم نے ماحول کا —— اس کے گرد تنے ماحول کا سنّاٹا توڑنے کی خاطر بات کی۔

"اے بیٹی ___ اتنی ننھی سی جان کو چھوڑ کر اتنی دیر کوئی باہر رہتا ہے ___ روتے روتے ہلکان ہو گئی نامراد ___" حیا نے سر اُٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے انھیں دیکھا۔

"اماں تو اب حیا اپنی زندگی سے بہت خوش ہیں ___" اس نے بے ربط جواب دیا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ___ زمانی بیگم لپک کر آگے بڑھیں اور اُسے گلے سے لگا لیا۔

"اے جانے بھی دے بیٹی ___ کم بخت کے پیچھے اپنی جان ہلکان کئے دیتی ہے۔ اپنا حسن دیکھ اپنی بے مثال جوانی دیکھ ___ ایسے کتنے کتنے شوکت نواب آئیں گے اور تیرے تلوے چاٹیں گے ___ خوش ہوتا پھرے ہماری بلا سے ___ اور خوش کیوں نہ ہوگا ___ محل سے خواجہ سرا لڈوؤں کے تھال پہنچا گیا تھا ___ بہو بیگم کی ابھی چھمکیاں بھی پوری نہیں ہوئی ہیں اور اُبکائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ___ بتا رہا تھا سرکار نے محل میں کہہ رکھا ہے بیٹے کی پیدائش پر خوشی میں تمہارا ہی ناچ گانا رکھوائیں گے۔"

"اماں ___ اماں ___ وہ کرب سے بولی: "ایک ہی ساتھ سارا خون نچوڑ لیجیے یوں قطرہ قطرہ کر کے نہیں اماں ___ بہت تکلیف ہوتی ہے اماں ___" ماں نے ڈوبتے دل سے بیٹی کو دیکھا: "ساری جوانی جس ایک پودے کو پروان چڑھانے میں گزار دی کیسا مرجھایا جا رہا ہے ___ خدا و ندا اگر تو یہ کم بخت دل نہ بناتا تو تیرا کیا جاتا ___ مٹھی بھر کا لوتھڑا ساری زندگی پر بھاری ___" روتے روتے اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا اور عجیب اجنبی سے لہجے میں بولی:

"اماں ___ آج میرا ناچنے گانے کا جی چاہ رہا ہے! ناچوں گی، گاؤں گی اور دعا کروں گی کہ خدا انہیں بیٹا دے ___" زمانی بیگم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ کہیں بٹیا کا دماغ تو نہیں الٹ گیا ___ لیکن وہ بھلے سبھاؤ میں کہہ رہی تھی۔

"اماں ساری زندگی تو دوسروں کے لئے ناچتے رہے ___ دوسروں کو خوش کرنے

کو ناچتے رہے۔ آج ایک دن اپنے لئے بھی"۔ وہ ان سے لپٹ گئی۔ "اماں آج اپنا سارا فن مجھے سکھا دو۔ موسیقی کے زیرو بم، گھنگھروؤں اور طبلے کی تھاپ یہ مجھے رقص کا وہ انداز عطا کیجئے کہ جب بھی ناچنے کو اُٹھوں تو میرے ساتھ پوری کائنات رقص کرنے لگے ـــــ زمین و آسمان وجد کرنے لگیں۔

"اری بیٹی میں کون سی بڑی ماہرِ فن ہوں ـــــ اپنے بڑوں سے جو کچھ سیکھا وہی تم تک پہنچا دیا ـــــ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے دل سے اضافے اور جدّتیں خوب کیں ـــــ بٹیا ہم نے تو مروجہ اصولوں کے خلاف بریانی تک میں بھی پسی ہوئی سُرخ مرچ ڈالی اور داد پائی ـــــ موسیقی اور رقص میں بھی اپنے طور پر یہی کچھ کیا کہ کانوں کو بھلا لگے اور آنکھوں کو تراوٹ بخشے ـــــ ماہرینِ فن اگر دیکھیں کہ اپنی لڑکیوں کو بیک وقت ہارمونیم، سارنگی، ڈھولکی، مٹکی، طبلے اور تالی کی سنگت میں نچواتی ہوں تو کان پکڑ کر محفل سے نکال دیں ـــــ لیکن بیٹی میں نے تو اپنے تجربے سے اتنا جانا ہے کہ اُس مالک کی قدرت کے صدقے جائیے کہ لہروں کی ترل ترل آواز بھی ہم آہنگ ہو کر رقص کے لئے موسیقی بن جاتی ہے۔ چٹکی یا محض زبان کی تچ تچ یا تالی، کوئی بھی آواز ایک مخصوص لَے سے بجے تو رقص کے لئے ساز گار بن جاتی ہے ـــــ تو پھر طبلہ؟ یہ تو حضرت امیر خسروؒ کی دین ہے ـــــ عورت ہو کر بھی اسی لئے اس کو اپنایا کہ کچھ تو حضرتؒ سے واسطہ قائم رہے . . . . . ."

حیا انتہائی غور سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی ـــــ زمانی بیگم خوش تھیں کہ بٹیا کا دھیان بٹ گیا ہے لیکن وہ سخت حیرت زدہ بھی تھیں کہ ناچ رنگ موسیقی سے حد درجہ اُکتائی ہوئی یہ لڑکی اچانک آج اتنے انہماک سے سبق لے رہی ہے؟ کیا وہ اپنے دلِ ناکام کا بدلہ لینے اس جگمگاتی دُنیا میں لوٹ آنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ یا کچھ بھی ہو وہ ماں ہونے کے ناطے اس وقت بے حد خوش تھیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی وہ اپنے غموں کے حصار سے باہر نکلی تو سہی ـــــ دھیرے دھیرے سہی، میں اُسے پھر اسی ماحول میں کھینچ لاؤں گی۔ انہوں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا۔

"اماں —— آج وہی تال آڑا چو تالہ دیجئے —— اور سارے سازوں کو اونچے اونچے سُروں میں چلنے دیجئے —— اتنے اونچے سُر ہوں کہ اس شور میں میرے دل کی ہر پکار دب کر دفن ہو کر رہ جائے۔ میرے قدم بے ترتیب پڑیں تو پڑنے دیں، آج ہر آوارگی روا ہے۔ ہر بے ترتیبی مباح ہے ——"

ناچتے ناچتے وہ بے حال ہو گئی —— بجانے والے پسینہ پسینہ ہو گئے، مگر وہ ناچے گئی —— ناچے گئی اور تھک کر وہ ماں کی آغوش میں آ گری —— کلیجے کو کھرچ دینے والے درد بھرے لہجے میں ماں کے گلے سے لپٹ کر بولی۔

"اماں اتنے تیز شور میں بھی دل کی دھک دھک کتنی نمایاں ہے! کون سا جتن کروں میری اماں کہ اس دل کا ساتھ چھوٹ جائے ——"

دل کا ساتھ تو خیر نہ چھوٹا لیکن برسوں کا ماں بیٹی کا ساتھ ضرور چھوٹ گیا —— حیا اپنے دل کے ہاتھوں اُجڑی اُجڑی، تنہا تنہا اور اداس اُداس رہتی تھی، لیکن دستور اور معمول کے مطابق کوٹھے کی اور لڑکیاں تو اسی طرح رہتی تھیں —— سجتی، سنورتی تھیں —— ہر شام محفلیں جمتی تھیں —— ساز چھیڑے جاتے تھے —— بڑا سارا کوٹھا تھا —— کئی کمرے تھے۔ شب باشی کی سیجیں الگ الگ کمروں میں تھیں —— اپنے بندھے ہوئے اصولوں پر سارا کاج کاروبار چلتا تھا —— زمانی بیگم اپنی سخت مزاجی کے باوجود بہر حال ایک ماں تھیں۔ گالیاں کوسنے تیز تُرش بول سب انہوں نے آج کل بھلا دیے تھے —— بٹیا کا دل ایسا ٹوٹا کہ وہ خود آدھی ہو کر رہ گئی تھیں —— اسے کچھ بھی نہ کہتیں —— نہ سجنے کو نہ سنورنے کو —— نہ گانے کو

نہ ناچنے کو ـــــ سوچتی تھیں ـــــ چند دنوں میں غم ذرا ہلکا پڑے گا تو خود ہی گھنگرو باندھ لے گی ـــــ دوسری لڑکیوں کے معمول بھی بندھے ہوئے تھے اور گاہک بھی ـــــ خود ہی تیار ہو لیتیں اور اپنی محفلیں سنبھال لیتیں ـــــ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھیں ـــــ حیا کا یہ تھا کہ دکھوں سے ٹوٹ گئی تھی اور ویسے دیکھا جائے تو ایک نہ دو پورے پچاس ہزار شوکت نواب شادی کی تیاری کے سلسلے میں دے چکے تھے جو بعد میں واپس لئے بھی نہیں ـــــ اتنا تو ساری لڑکیاں اور خود حیا بھی زندگی بھر مل کر کمائیں تو بھی شاید ہی جمع کر پائیں ـــــ تو اس کو تنگ کر کے فائدہ بھی کیا تھا اور فائدہ نقصان تو بعد کی بات تھی، اوّل تو خود انہی کا دل بیٹی کو آدھی بات بھی کہنے کو نہ چاہتا ـــــ کہاں یہ کہتی پھرتیں کہ "بٹیا خود کو سجا سنوار کر مسند سنبھال ـــــ"

اُس چار پہری کو سو کر اٹھیں تو روز کا سا سماں اور معمول تھا ـــــ گجرے والا گجرے دے کر ابھی گیا تھا ـــــ پنہارن ڈھوئی بھر کر پان آنگن میں رکھے مٹکوں اور صراحیوں کے پاس لال لال صافی میں لپیٹ، پانی کے چھینٹے دے کر لپیٹ گئی تھی ـــــ چھڑکاؤ والا بہشتی یہاں سے وہاں تک اُڑتے گرد کے بادل کو تھپک تھپک کر سُلا گیا تھا اور اب سارے آنگن میں سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی جس میں اب ادھ کھلے گجروں کی کلیوں کی مدھ ماتی خوشبو بھی شامل ہو رہی تھی ـــــ ماما ظہورن رات کے کھانے کے لئے گلاوٹ کے کباب تیار کر رہی تھی ـــــ باورچی خانوں سے گرم مسالے کی خوشبو کی لپٹیں چلی آ رہی تھیں ـــــ ساتھ ساتھ ظہورن کے تبصرے بھی ـــــ

"مٹی پڑے کو جاوے موا خصائی سارے چھیچڑے بھر کو گیا ـــــ کیا کیا بان بنیں گے اُجاڑ۔ ہور اَب دیکھیو وہ موا گولی کا بچہ دودھ دے کر جائے گا سو ـــــ آدھا پانی آدھا دودھ ـــــ کیا تو بھی بچی دم پکڑیں گی ـــــ ماں کے دودھ میں طاقت رہتی پن چھوڑی پاشا کو اتا دودھ کاں اُترتا ـــــ او غفورے موئے دھتی ـــــ گولی آئے گا تو ذرا قرینے سے بات کر۔ ـــــ

اِتّی سی بچی دیکھو۔ ہور اس کے رزنج کے ساتھ بے ایمانٹی پن دیکھو۔"

دُودھ —— گولی —— بچی سنتے سنتے ہی زمانی بیگم کی آنکھ کھُل گئی تھی —— روز اس وقت اُٹھتے ہی سب سے پہلے ماما یا کرمین، یا غفورے یا چھمّن خاں سے نواسی کو بلواتیں —— اپنے بستر پر لٹالیتیں توتلا توتلا کر باتیں کرتیں —— لپٹا لپٹا کر خوب پیار کرتیں پھر مونہہ ہاتھ دھونے کے لئے بستر سے اُترتیں —— آج کرمین کو آواز دی کہ بچی کو لائے تو کرمین نے جواب دیا "چھوٹی بی بی خود بھی آج ابھی تک نہیں اُٹھیں —— دروازہ بند ہے"

مونہہ ہاتھ دھوکر، اطمینان سے چائے پی، تمباکو والا پان کھا کر وہ حیا کے کمرے میں پہنچیں تو دروازہ بھڑا ہوا ہی تھا —— ذرا سے دھکّے سے کھُل گیا —— انہوں نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو کمرہ خالی! گھبرا کر اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا —— نہ بچی نہ ماں —— باہر نکل کر کمرے میں جھانکا —— سب اپنے اپنے کاموں میں ساجے سنگار میں، سجنے سنورنے گنگنانے، ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ میں لگی ہوتی تھیں۔

"اری لڑکیو! حیا کو دیکھا؟ ایک ایک سے پوچھتی گئیں —— ناں میں جواب پاتی گئیں —— دھڑ دھڑ کرتے دِل کو پکڑ کے غفورے کو پکارا —— چھمّن خاں کو آواز دی۔

"ارے نامرادو! —— کہاں مر گئے سب کے سب —— ارے کسی نے میری بچی کو دیکھا ——"

چھمّن خاں سراسیمہ سے بھاگے آتے: "بیگم صاحبہ میں تو پھاٹک ہی میں لیٹا رہا ہوں میرے سامنے سے تو نہیں نکلیں۔"

"اے تم پہ خدا کی مار —— پلنگ میں پڑے ہوتے اکیلی جاتی تو کچھ نہ تھا۔ ننھی سی جان کو بھی ساتھ لے گئی —— ابھی اپنا آپ سنبھالنا تو آتا نہیں۔ بچی کو کیا سنبھالے گی —— ارے دوڑو جاؤ دیکھو درگاہ شریف نہ چلی گئی ہو —— ایسے ہی آج کل اُڑی اُڑی رہتی ہے دِل کے سکون کی خاطر دُعا مانگنے، فاتحہ پڑھنے چلی گئی ہوگی ——"

یہاں وہاں سب طرف آدمی دَوڑا دیے گئے ــــ لڑکیوں بالیوں میں بھی سب یہی چرچا ہو گئی ــــ سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہیں آ کھڑی ہوئیں ــــ غفورا بھی آ گیا ــــ چھمّن خاں بھی یونہی لَوٹ آئے ــــ کریمن، ظہورن جس کی جہاں جہاں پہنچ تھی ــــ اپنے اپنے ٹھکانوں تک ہو آئے ــــ کوئی خبر نہ ملی ــــ زمانی بیگم ڈھیر ہو کر پڑی تھیں ــــ ایک سے ایک خیالات دل و دماغ پر یلغار کر رہے تھے۔

"بدنصیب اپنی جان پر نہ کھیل گئی ہو ــــ آنسوؤں سے ہی ناطہ توڑ لیا تھا ــــ نہ کھانا نہ پینا ــــ بات کرتی بھی تھی تو اس نامُراد نواب کی ــــ کیسے کھِلے پھول کی طرح تازہ خوشبُودار تھی میری بیٹی۔ مگر کیسی دھواں دَھار ہو کر رہ گئی تھی ــــ خُدا کرے کِسی جان پہچان والے کے ہاں رہ گئی ہو ــــ یا اپنی کسی ملنے جلنے والی کے ہاں چلی گئی ہو ــــ رات بھر بچّی کو کیسے سنبھالے گی ــــ نامُراد کے دُودھ بھی تو نہیں اُترا ــــ چار دن بھی نہ پلا سکی۔ اُوپر کے دُودھ پر ننھی سی جان پل رہی تھی ــــ ایسے ہی اُٹھا کر لے کر چلی گئی ــــ نہ شیشی لے گئی نہ چمچی نہ کٹوری ــــ کاہے میں دُودھ پلائے گی ــــ گدیلہ اور پھالیاں بھی تو یہیں دھری پڑی ہیں ــــ خدا جانے پیسے بھی ساتھ میں لے گئی یا یونہی اُٹھ کر چل پڑی ــــ ننھی تو شک اور دُلائی تو یہیں پڑی ہے ــــ رات کو سردی میں بچّی ٹھٹھرے گی نہیں۔ خود اُس نامُراد نے اللہ جانے کیا کھایا کیا نہیں۔ میں نصیبوں کی جلی سوتی رہی، اب جانے کب آئے؟" ایک سے ایک خیال آتا تھا اور نئے سِرے سے ان کے دِل میں ہول اُٹھتے تھے۔

"بڑے بڑے تالاب ہیں کہیں بچّی سمیت جان دے دی تو ڈھونڈے سے لاشیں بھی نہ ملیں گی" پھر توبہ توبہ کرتیں ــــ میری عقل پر پتھر پڑیں، جیسی کیسی بُری بُری باتیں سوچ رہی ہوں ــــ مریں اس کے دشمن ــــ اٹھارہ انیس سال کی عمر بھی کوئی مرنے کی عمر ہوتی ہے ــــ مجھ دُکھیا کو چھوڑ کر مرے گی کیسے ــــ اُسے پتہ نہیں کیا کہ ایک وہی ہے میری ــــ پوری دُنیا لوگوں سے بھری ہوئی ہے ــــ لیکن میری اپنی تو بس وہی ایک ہے۔ وہ کیسے مجھے چھوڑ کر

چلی جائے گی ۔۔۔ آجائے گی۔

وسوسوں میں ایک دن گزرا ۔۔۔ روتے بلکتے دوسرا دن گزرا ۔۔۔ پھر سر پیٹتے اپنے آپ کو نوچتے تیسرا دن گزرا، اور پھر دن گزرتے ہی چلے گئے اور روتے روتے زمانی بیگم کی آنکھیں دھندلی ہوتی گئیں لیکن حبیّا کو نہ آنا تھا نہ آئی ۔۔۔ عمر ڈھل گئی تھی لیکن زمانی بیگم کی اپنی ایک ادا تھی ۔۔۔ ایک انداز تھا ۔۔۔ ایک ٹھسّہ تھا۔ محفل میں جس جگہ بیٹھ جاتیں لگتا کہاں بیٹھی ہیں ۔۔۔ خضاب کئے ہوئے سیاہ بال ۔۔۔ کمان کی ہوئی بھویں ۔۔۔ گہرا گہرا کاجل، پوڈر غازہ سے سرخ و سفید چہرہ، ہونٹوں پہ لالی اور اس کے اوپر مسی کی اودی اودی دھڑی ۔۔۔ ہلکا پھلکا زیور۔ ناک میں ہیرے کی لونگ، لشکارے مارتی ہوئی ۔۔۔ کانوں میں موسم کے پھولوں کے ہالے ۔۔۔ بھر بھر چوڑیاں ہاتھوں میں ۔۔۔ انگلیوں میں سجاوٹ کی انگوٹھیاں ہلکی ہلکی، تال اور ٹھیکے دینے کے لئے بھاری سونے کی انگوٹھیاں الگ ۔۔۔ شادی بیاہ کا موقع آتا تو پپوٹوں کے اوپر اور آنکھوں کے نیچے ہلکی ہلکی افشاں بھی چن لیتیں ۔۔۔ بڑی متوالی اور ایمان کو زیر و زبر کر دینے والی آنکھیں تھیں ۔۔۔ اور اس پہ مستزاد ہنسی ۔۔۔ لوگ ہونٹوں سے ہنستے مسکراتے ہیں، اور وہ آنکھوں سے یہ کام لیتی تھیں ۔۔۔ اسی لئے جس کونے میں بیٹھ جاتیں وہ کونہ ہنسنے لگتا ۔۔۔ کہنے والے کہتے: "اس عمر میں بھی ماں چاہے تو بیٹی کا گاہک ترڑا لے ۔۔۔"، ایسی چھب تھی کبھی چوڑی دار، کبھی غرارے ۔۔۔

لیکن اب وہی دمکتی چمکتی زمانی بیگم تتر بتر ہو گئیں ۔۔۔ خضاب چھوٹا تو یہاں وہاں سے سفید سفید بادل جھلکنے لگے ۔۔۔ کاجل والی آنکھیں روتے روتے دیئے میں پڑی بتی کی طرح چوئیں ہو گئیں ۔۔۔ غازے پوڈر سے اجلاتے گئے گال آنسو پونچھتے پونچھتے چنا یوں اور دھجیوں کی طرح لٹک آئے ۔۔۔ کہاں تو جس جگہ بھی بیٹھ جاتی تھیں وہ کونا بھرا بھرا ہنستا بستا لگنے لگتا تھا، اب پائنتی پڑی مڑی تڑی دلائی کی طرح کہیں بھی پڑی رہتیں تو

لوگوں کو نظر بھی نہ آتیں —— لڑکیوں بالیوں نے یہ ویلیرے دیکھے تو پہلے ہی کون سا اچھا رہتی تھیں اب تو بالکل ہی کونے میں ڈال دیا —— چوک کے اس جگمگاتے کوٹھے کی وہ رُت ہی بدل گئی۔

کہنے والے غلط نہیں کہتے کہ رنڈی ہوتی تو سدا سُہاگن ہے لیکن ایسی سُہاگن کہ بُرا بھلا وقت پڑے تو کوئی سُہاگ ایسا نہیں ہوتا جو وقت پر سہارا دے —— بیمار پڑے تو تیمارداری کرے، بوڑھی ہو تو خدمت کرے —— جس طرح دولت آتی ہے، ایسے ہی جاتی بھی ہے —— زمانی بیگم کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایسے تیسے اور ٹھسے کی ایسی زبان چلانے والی عورت یوں دھول مٹی ہو کر کونا پکڑے لے گی —— اُن میں تو اُٹھنے بھر کا بھی دَم نہیں رہ گیا تھا —— چاروں پانچوں لڑکیوں نے صلاح مشورہ کر کے پُورا جمع جتھا قبضے میں کیا اور نئے نئے ٹھکانوں پر جا کر بیٹھ گئیں —— غفورا سدا کا بھگوڑا تھا۔ بار بار بھاگتا —— بار بار چھمن خاں پکڑ پکڑ کر لاتے کہ بیگم صاحبہ کو باہر کے سودا سلف کی آسانی تھی۔ اب وہی ڈھے گئیں تو کون بازار کا کوڑی پھیرا کرواتا —— کریمن کو صابرؔ اپنے ساتھ لگا لے گئیں —— ظہورن تو ہمیشہ سے باورچی خانے کی سلطنت کی ملکہ تھیں۔ کبھی تو اِدھر قدم نہ دَھرا —— اس اللہ کی بندی کو تو یہ تک بھی معلوم نہ تھا کہ رات ہوتے ہی یہاں کیسے دِن نِکل آتا ہے اور کیسے کیسے سُہاگ چڑھتے اور بن براَت دُولھے آتے ہیں۔ وہ اپنی بیگم صاحبہ کی دی ہوئی باورچی خانے سے لگی کوٹھری میں بے حد مگن رہتی —— بلا ضرورت نہ بیگم صاحبہ سے بات کرتیں نہ کسی اور سے —— ہاں خود سے جی چاہتا تو تبصرے پہ تبصرے حالات حاضرہ پر کئے جاتیں —— بیگم صاحبہ کے بیمار پڑ جانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا —— جانے والیوں نے البتہ ساتھ لے جانے کی پیشکش کی تو خوب غصہ ہو کر بولیں :

"تم حرام خورنیاں جاتے —— جاؤ —— اُنوں میرے کو جیتے جی کھانے کو ٹکڑا

پیتے، پہننے کو کپڑا ـــــ مرنے پہ زمین کا ٹکڑا بھی دیں گے اور کفن کا لٹھا بھی ـــــ" بھائیں بھائیں کرتے گھر میں صرف ایک چھمن خاں تھے جو صحیح معنوں میں بیگم صاحبہ کے غم خوار تھے۔ پکڑ دھکڑ کر زبردستی چند نوالے کھلا دیتے ـــــ وہ تھوک تھوک دیتیں ـــــ یہ مونہہ صاف کرتے ـــــ ذرا ہوش میں آئیں اور طاقت پائیں تو اٹھ اٹھ کے گلی میں بھاگتیں ـــــ ایک ایک کو پکڑ کر غور سے دیکھتیں اور پوچھتیں :

"تم حیا تو نہیں ؟"

"تم نے میری بیٹی کو تو نہیں دیکھا ـــــ ؟" محلے میں سارے لوگ ان کی بپتا سے باخبر تھے، کوئی کچھ نہ کہتا ـــــ لوگ ترس کھا کر ہٹ جاتے ـــــ راستہ چھوڑ دیتے ـــــ چھمن خاں انہیں پکڑ کر گھر لاتے ـــــ مونہہ دھلاتے ـــــ ظہورن سے کہہ کر کپڑے بدلواتے ـــــ بیگم صاحبہ کی ایسی حالت دیکھ کر ظہورن نے اب باورچی خانے سے آگے بڑھ کر گھر سنبھالنا بھی شروع کر دیا تھا ـــــ اپنی بیگم صاحبہ کی حالت دیکھ کر وہ بھی آدھی رہ گئی تھیں ـــــ زمانی بیگم ذرا حواسوں میں آتیں تو چھمن خاں اور ظہورن کو دل کی بپتا سنانے بیٹھ جاتیں ـــــ وہ حیا کی ساری تباہی کا ذمے دار خود کو سمجھتی تھیں اسی لئے اتنا کڑھ بھی رہی تھیں ـــــ کیا لڑکیاں، ان کے طبقے اور ماحول کی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگ جاتیں، تو کیا بھاگنے والی لڑکیوں کے پیچھے مائیں یونہی اپنے آپ کو تباہ کر لیا کرتی ہیں ؟ وہ سوچتیں ـــــ نواب کو ساری ڈھیل میں نے دی ـــــ حیا کو بنا سنوار کر، اس کے پاس تنہائی میں نواب کو بھیجا ـــــ جوان لڑکی ـــــ خوب صورتی، تنہائی اور قدرتی شرم۔ ساری چیزوں نے مل کر نواب کو پاگل کر دیا اور وہ دل سے گزر گیا ـــــ لوگ کوٹھوں پر نماز پڑھنے نہیں آتے ـــــ وہی کرنے آتے ہیں جو نواب نے کیا ـــــ لیکن میں چاہتی تو عین نکاح والے دن بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر نواسی کو گود میں دے کر سارے حیدرآباد کے سامنے ناک نیچی کروا سکتی تھی ـــــ لیکن یہاں بھی میری ہی خود غرضی کام آئی ـــــ میں نے سوچا

گھر کی آمدنی گھر ہی میں رہے گی ـــــ ٹالتی گئی ـــــ یہ نہ سوچا کہ میری معصوم گڑیا اس سود و زیاں کو اپنے جی کا روگ بنالے گی ـــــ بھلے نواب شادی کر کے تین طلاقیں دے دیتا، یہ اس کا اپنا مقدّر ہوتا جو وہ خود بھگت لیتی ـــــ لیکن میں تو اس قتل میں خود کو ملوث نہ پاتی ـــــ اب تو ایسا لگتا ہے کہ یہ قتل ہے اور اس قتل کے چھینٹے میرے ہی دامن پر ہیں ـــــ" پھر وہ چلاّ چلاّ کر رونے لگتیں ـــــ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دُعا کرتیں، بین کرتیں ـــــ اپنا مقدّمہ اپنے اوپر والے کے رُوبرو پیش کرتیں۔

"اے مالک تو صاحبِ بصارت ہے ـــــ دُور بیٹھا ہے لیکن بڑا بصیر ہے ـــــ دیکھ لے یہ زندگی تیری ہی دی ہوئی ہے ـــــ تو قادرِ مطلق ہے ـــــ سب کے نصیب تو ہی بناتا ہے ـــــ میرے نصیب بھی تو نے ہی بنائے ـــــ میں اپنے نصیب کی کاتب ہوتی تو یہ سب دربدری، یہ آلام، یہ گناہ کی زندگی کیوں لکھتی ـــــ چین آرام کی سُکھوں بھری زندگی نہ چُنتی ـــــ؟ اپنے ہاتھوں خود بننے والا رہتا تو کوئی انسان آج بدصورت ہوتا نہ غریب ہوتا نہ بدنصیب ہوتا ـــــ یہ سب تو تیرے ہاتھ کے کھیل ہیں مالک ـــــ تیرے لکھے کو ہم لوگ بھوگ رہے ہیں، تیری دُنیا کے راز تو ہی جانے ـــــ لیکن میرے مولا تو جو دُنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نصیب کا لکھا لکھ دیتا ہے تو میں گنہگار کیسے ہوئی، یہ تو تیرا اپنا لکھا تھا جو میں نے پورا کیا ـــــ اس میں میرا اپنا قصور اور گناہ کہاں ہوا ـــــ میں اندھی تھی تو نے ہاتھ میں جو لاٹھی تھما دی اسے پکڑ کر میں چلتی گئی ـــــ پھر میرے سر پہ رُسوائیاں کیوں ـــــ جو رُسوائیاں تو نے دے بھی دیں تو یہ دلِ حساس کیوں دیا ـــــ ساری زندگی ہی گناہوں اور بے حسی میں گزارنے کا حوصلہ بھی دے دیا ہوتا ـــــ احساسِ گناہ کیوں دیا ـــــ معافی اور توبہ کی خواہش کیوں دی ـــــ اور جب دے ہی دی تو معاف کرتا کیوں نہیں ـــــ اور جو معاف نہیں کرنا چاہتا تو یہ زندگی کی سزا ختم کر دے ـــــ"، وہ دھاروں دھار روتیں ـــــ میں ہار گئی رے مالک ـــــ ہار گئی ـــــ"

نواب شوکت کے محل سے جب صاحب زادے پاشا کی ولادت کے لڈّو اور ناچنے گانے کا نیوتہ دینے۔ دیوان جی ــــ خواجہ سرا اور دربان پہنچے ہیں تو زمانی بیگم کے کوٹھے پر الّو بول رہے تھے ــــ بڑی دستکیں دینے کے بعد ظہورن باہر نکلی ــــ

"کیوں بڈّی بی ــــ زمانی بیگم کا کوٹھا یہی ہے نا ــــ" کسی نے پوچھا ــــ ظہورن کو تو آج تک زمانی بیگم کا نام ہی معلوم نہ تھا ــــ ان کے لئے تو وہ صرف بیگم صاحبہ تھیں ــــ بولیں :

"بائو پوچھو ــــ میرے کو نئیں معلوم ــــ" پڑوس کے دروازے پر گئے ــــ ایک بڑے میاں نکلے۔

"کیوں حضت ــــ زمانی بیگم یہاں پر ہی رہتے تھے نا ؟" دیوان جی نے پوچھا۔

"وہ دہلی والی ــــ"

"دہلی لکھنو تو ہم کو نئیں معلوم ــــ اتنا معلوم ہے ان کی ایک بہوت ہی بہوت خوب صورت بیٹی حیا ہوتی ــــ"

"ہاں وہی تو زمانی بیگم تھیں ــــ مر گئیں بے چاری - وہ افسوس سے بولے -

"ہائیں ــــ ابھی سال بھر بھی تو نہیں ہوا وہ لوگاں محل پہ ناچنے گانے آئے تھے۔ بڑے میاں ذرا جز بز ہو کر بولے۔

"جناب ــــ آپ سال بھر کی بات کرتے ہیں ــــ آپ تو مجھے اتنا ہی یقین دلادیں کہ اگلے لمحے تک ہی آپ زندہ رہ جائیں گے ــــ ارے جناب یہ اس مالک کے کھیل ہیں وہی جانے ــــ"

دیوان جی تاسف سے بولے ــــ "لیکن ہوا کیا تھا ــــ ؟

"جی بس ان کی صاحب زادی حیا مع اپنی شیر خوار بچی کے اچانک لاپتہ ہو گئیں بہت تلاش کروائی، کچھ پتہ نہ چلا ــــ اسی غم میں جان سے گزر گئیں۔

"ان کے گھر کے دوسرے لوگاں ـــــ اور سازندے ؟"

"گھر کے اور لوگ تو کہیں اور جا کر بس گئے ـــــ رہے سازندے ـــــ تو ایک بڑے حضرت رہ گئے تھے بس ـــــ اتنے وفادار تھے کہ جس دن بیگم صاحبہ مری ہیں اس دن سے مارے غم اور صدمے کے زبان ہی بند ہو گئی تھی ـــــ اور بالآخر اسی غم نے انہیں بھی وہیں پہنچا دیا، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا ـــــ" ماحول پر عجیب عبرت ناک سناٹا چھا گیا تھا ـــــ

شوکت محل میں جشنِ ولادت اپنے عروج پر تھا ـــــ ایک تو نواب شوکت نے شادی ہی عام نوابوں کے حساب سے ذرا دیر سے کی تھی۔ اس لئے اماں حضور کو اولاد ہوتے نہ ہونے کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا، لیکن جب خدا کے فضل سے شادی ہوئی تو ابھی پانچ جمعے بھی نہ گزرے تھے ـــــ جمگیاں بھی نہ ہوئی تھیں کہ بہو پاش حمل سے ہو گئیں محل میں مل بیٹھنے والیاں مونہہ پلوؤں اور آنچلوں میں چھپا چھپا کر ہنستی اور آپس میں بولتی تھیں ـــــ

"ایوٗ ماں ـــــ پہلی رات کو ایچ حمل رہ گیا کیا ہے کی ـــــ ؟"

"برو بر ایسا ایچ ہُوا ہوئیں گا ـــــ دُلہن پاشا کے پھول آئے ہوئیں گے ـــــ شادی کی رات پڑتی سو اُنوں اُسی دن پاکی کا نہانا نہائے ہوئیں گے ـــــ پھر دوسرے دن مرد سے مل کر اُنوں بستر ے کا پانی نہاتے ہور سمجھو وہی اج رات کو استقرار ہو گیا"

"توبہ توبہ ماں ـــــ کیا بُرے بُرے باتاں کرتے جی تمے راندّاں ـــــ کوئی چھوکریاں سُنتے تو ـــــ"

"آج کل کے چھوکریاں کو سب معلوم ہے ـــــ" دھیرے دھیرے یہ باتیں اماں حضور کے کانوں پر بھی گئیں اور جو بے اولادی کا دھڑکا اُن کے جی کو لگا تھا

اللہ نے دور کیا ــــ

"آپ خوا ئی نخوا ئی فکر کرتے پاشا ــــ"، خواصوں میں سے ایک بولی "میرے کو معلوم ــــ منّی بولی تھی ــــ اُنے سرکار کے کمرے میں غلطی سے ایک رات کو چلی گئی تھی تو اس کو دائی ماں کی ضرورت پڑ گئی تھی دو مہینے کے بعد ــــ ہو ــــ" اب تا اصل ماما کنیزوں کی بات کا کیا اعتبار ــــ لیکن جب خود بہو پاشا کو بے ڈھنگی چال چلتے دیکھا تب اماں حضور کا دِل دِل میں آیا ــــ پھر خدا کی عظیم قدرت دیکھو کہ پہلی بار ہی بیٹا ہوا ــــ ایسی خوشی کے موقعے پر جتنا بھی بڑا جشن ہوتا کم ہی تھا ــــ کوئی اجنبی آنکلتا تو یہی سمجھتا کہ یہاں کوئی شادی رچی مچی ہے ــــ وہ سجاوٹ تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں ــــ باہر یہاں سے وہاں تک شامیانے لگے ہوتے ــــ لانوں میں جتنے درخت پودے تھے سبھوں میں ننھے ننھے قمقمے لگا دئے گئے تھے۔ سُرخ رنگ کے، ہرے رنگ کے ــــ دور سے ایسا لگتا تھا کہ جھاڑوں اور پودوں میں پھول پتّے چمک رہے ہیں ــــ رنگین اور چمکدار پنیوں کے پھول پتّے شامیانوں کی جھالروں پر لگائے گئے تھے ــــ اندر گدیلوں پر سفید چاندنیاں، ان پر مسندیں ــــ گاؤ تکئے ــــ ہال الگ سجا ہوا ــــ آج مہمانوں کا کوئی حساب نہ تھا ــــ گانے، ناچنے والوں کے لئے بھٹیارے الگ ایک سے پکوان پکا رہے تھے ــــ اندر معزز مہمانوں اور خاندان والوں کے لئے سارے محل کے باورچی جُتے ہوتے تھے ــــ مراثنیں زچہ گیریاں گا رہی تھیں ــــ

"اجی سونف مکھانے کیوں نئیں لائے" ــــ "اجی میں بھول گیا تھا ــــ"

ایک میراثن دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"آگے سونف ٹھنڈی رہتی گے ــــ زچگی جاپے میں سونف نئیں سونٹھ دیتے ــــ سونٹھ مکھانے کا ــــ" دوسری نے جلدی سے ٹکڑا لگایا: "سونٹھ مکھانے کیوں

لائے —— اجی میں بھول گیا تھا —— اجی میں بھول گیا تھا ——" یہ تو زچہ گیریوں کی بات تھی —— لیکن دراصل آج نواب شوکت ایک بھی چیز لانا نہیں بھولے تھے —— آج وہ اس درجہ خوش تھے کہ ان کے ہونٹ مارے ہنسی کے مِل نہیں پا رہے تھے —— بس مونہہ کھلا کا کھلا ہی رکھا تھا —— میوے سے لے کر زر زیور کپڑا لتّا —— اُنہوں نے تو محل میں بازار سجا دیا تھا —— میوے —— ایسے ایسے میوے یہاں سے وہاں تک بادام کی گِریاں —— منقے، کاجو، پِستے، کشمش، خرمے، چھوارے، چرونجی، خشخاش، کھوپرے، چلغوزے، اخروٹ کے ڈھیر کے ڈھیر لگے رکھے تھے —— لونگ، الائچی، جائفل، سپاری چکنی، مکھانے، سونٹھ، جوز، جاوتری، زملی، ایک۔ ایک میوہ اور مسالہ چُنا رکھا تھا کہ بہو پاشا چالیس دِن تک بتیسے کے لڈو کھائیں، جو بتیس میوؤں مسالوں سے مِل کر تیار ہوتا تھا کہ جب چلّہ نہا کر اُٹھیں تو چاق و چوبند اُٹھیں کہ دوسرے بچے کا وزن ہنسی خوشی جھیل سکیں —— چھ ماہ تک یہ لڈو کھلائے جائیں گے —— صبح ہی صبح دودھ زعفران اور پِسے ہوئے باداموں کے ساتھ اصلی گھی سے بگھار کر الگ پلایا جائے گا کہ بچے میں مردانہ صفات اور اوصاف جلد سے جلد پیدا ہوں —— بھئی قسمت والیوں کو پہلوٹھی کے بچے اللہ عنایت کرتا ہے —— بٹیا پہلا ہو تو باپ کا بازو بنتا ہے —— کام کاروبار سنبھالتا ہے —— زندگی کا بوجھ اُٹھا لیتا ہے —— یہاں کون سے بوجھ اُٹھانے تھے —— نواب شوکت خود کون سے بوجھ ڈھوتے آئے تھے —— لیکن بیٹے کا باپ بننا ہی کچھ اور ہوتا ہے —— ایک غرور سا، نشہ سا رگ و پے میں بھر جاتا ہے۔

دادی الگ پھولوں نہیں سما رہی تھیں —— رہ رہ کر بہو بیگم اور پوتے پر واری بلہاری جا رہی تھیں —— دُلہن پاشا نئے سرے سے دُلہن بنی بیٹھی تھیں —— ایسا سنگھار تھا کہ دُلہنوں کو شرم آ جائے —— وہ نور اُترا تھا کہ چاند بدلی میں چھپا چھپا جائے —— سچ ہے عورت پر تین بار ہی تو نور اُترتا ہے —— شادی کے دن —— ماں بننے کے

دن اور سہاگن مرے تو موت کے دن ——

یہ ماں بننے کا نور تھا، جو دن گزرنے پر بڑھتا ہی جاتا ہے —— اور آج تو دس ہی دن ہوئے تھے —— ابھی تو چہرے کو چودھویں کا چاند بنا تھا، پھر بھی جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا —— مردانے سے لے کر زنانے تک ایک ایسی رونق لگی ہوئی تھی کہ دیکھے سے جی نہ بھرتا —— اپنے چاندی کے چھپرکھٹ پر دولہن بادشا آدھی لیٹی، آدھی بیٹھی، سارے ہنگاموں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں —— پاس بیٹھی سسرالی، رشتے دار نندوں لڑکیوں کی باتیں مزے لے لے کر سن رہی تھیں —— اسی دم باہر سے ساز چھنکنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اے بے اب تو گانا ناچنا ہوئیں گا —— چلو چلمنوں کے پیچھے سے تماشا دیکھیں گے —— لڑکیوں میں شور مچا ——

"اونہہ چلمنوں کے پیچھے سے کائے کو —— دروازوں کے پاس سے جھانکیں گے جی —— اتنے لوگاں میں کون کس کو دیکھنے چلا ——" اپنا آپ نمایاں کرنے کی ادا عورت ذات میں جانے کتنی پرانی ہے ——

"ایسے جوتے پڑیں گے —— امّی حضور کی ڈانٹ معلوم نئیں کیا ——؟"

"ڈانٹنے دیو —— روز روز ایسے موقعے تھوڑی آتے —— پھر کتے خوب صورت خوب صورت ناچنے گانے والیاں ہیں —— ابا!" کوئی سینہ تھام کر بولی۔

"اَئی چلو ماں —— کوئی خوب صورت نہیں اتنے —— میں غور سے دیکھی۔ اُجاڑ کیا کیا تو بھی مونہہ پر تھوپ تھوپ کر آتیاں ہور اتا زرزیور پہنے تو نئیں لگتا کیا واہ انسان بھی خوب صورت لگتا ——"

مبے فضول کے باتاں کرو نکو —— وہ حیا آتائی (طوائف) کیسی خوبصورت تھی ابا —— میں سچی بولتیوں اُس کے مونہہ پر نظر نئیں ٹھیرتی تھی —— کیا چاند

سُورج کے ڈیسا چہرہ تھا ـــــ"

"وہ اس واسطے تھوڑی خُوب صورت لگتی تھی کی اُنے زر زیور ہور سنگھار بہوت کرتی تھی ـــــ آگے وہ تو بات ایچ کچھ اور تھی ـــــ" ایک رازداری سے بولی۔

"کیا بات تھی ـــــ" دوسری دو چار نے تجسس سے پوچھا۔

"آگے وہ نواب صاحب کو چاہتی ہوئیں گی" پہلی والی نے فیصلہ سُنا دیا۔

"چل کے پاگل کِدھر کی ـــــ تیرے کو معلوم بھی پڑ گیا جیسا ـــــ"

"پھر کیا عورت کی نظر چھپتی نئیں ـــــ"

"مرد کی بھی کہاں چھپتی ـــــ"

"ہو ـــــ وہ تو ہی ایچ ـــــ یاد نئیں کیا نواب صاحب بھی اُس کو کیا دیکھ لے رہے تھے ـــــ ابا ـــــ کیسے نظراں تھے کی بس ـــــ"

"آج آئیں گی تو مزہ آئیں گا نا ـــــ"

"آج وہ نئیں آئیں گی ـــــ"

"کائے کو ـــــ؟" بہت ساری آوازوں نے بیک وقت افسوس اور تجسس سے پوچھا ـــــ

"وہ بلدہ چھوڑ کو چلی گئی بولتے ـــــ"

"بلدہ (حیدرآباد) چھوڑ کر ایچ چلی گئی ـــــ؟ مگر کیوں ـــــ؟"

"اللہ معلوم ـــــ باہر دو چار لوگوں بات کر رہے تھے، گلابو پان لے کر گئی تھی تو سُن کر آئی ـــــ وہی ایچ میرے کو بولی ـــــ"

"اُنے ہوتی تو بہوت اچھا رہتا تھا نا ـــــ کتا اچھا گانا گاتی تھی نا ـــــ"

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ان کی قبر پہ ہے اور نشاں کچھ بھی نئیں

دُلہن پاشا نے ہولا کر اپنے سر پر جگمگاتے فانوس کو دیکھا ـــــ اپنے اطراف بکھرے ہوئے رنگ و نور کے سیلاب کو دیکھا ـــــ بڑے اطمینان سے سوتے اپنے ننھے مُنّے بچے کو دیکھا، ان کا دِل دہل گیا ـــــ چاندی کے چھپر کھٹ پر بیٹھے بیٹھے ان کا وجود ہل گیا ـــــ دھیرے سے اپنی خلیری نند کو پکارا ـــــ

”شرفو ماں ـــــ،، شرفو لپک کر آئی۔

”جی بھابی پاشا ـــــ“

”بی بی ذرا اپنے بھائی پاشا کو بُلا کر لاتے ـــــ“

”ابھی لاتیوں بھابی پاشا ـــــ،، اور وہ اپنا کرن ٹمکا ہرا دوپٹہ سر پر جماتی تیزی سے مردانے کی طرف لپکی ـــــ

خواجہ سرا زنانے سے نیوتہ لے کر مردانے میں پہنچے ـــــ شوکت نواب دوست احباب و مصاحب اور ملنے جلنے والوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ پانوں کے دور چل رہے تھے ابھی ناچنے والیوں نے گھنگرو نہیں باندھے تھے ـــــ تال دینے والیوں نے چوڑیاں پیچھے کھسکا کر آستینیں نہیں اُلٹائی تھیں ـــــ سازوں کو کھنگالنا شروع ہو چکا تھا ـــــ ڈھولکیوں کے گرد دوڑے کسے جا رہے تھے ـــــ طبلوں کی ٹوگیاں اور گٹیاں ٹھونکی جا رہی تھیں ـــــ ڈگیوں کو تھپ تھپا کر ـــــ اور گٹیوں کو نیچے اوپر سرکا کر طبلوں کو سُر کیا جا رہا تھا ـــــ ہارمونیم بجانے والے پردوں کو اپنے کلیجے سے دور، پرے کر کے اپنے فن کو آزما رہے تھے ـــــ ڈھول، تاشے سارنگی، دف گھنگرو ـــــ ماحول گونج رہا تھا ـــــ جگمگا رہا تھا ـــــ ایسے رنگین ماحول سے اُٹھ کر جانا نواب شوکت کو کھل گیا، لیکن بلاوا دُلہن پاشا کا تھا ـــــ جنہوں نے اس ہنگامے کو جنم دیا تھا ـــــ ایک بیٹے کی ماں کا بلاوا ـــــ وہ جھومتے ہوئے اُٹھے ـــــ اپنے وزن کو سنبھالنے میں، بیٹھے سے کھڑے ہونے میں، خون ان کے تر و تازہ چہرے پر چھلک چھلک اُٹھا ـــــ قدم قدم پر سینکڑوں نگاہیں

اُن کے سراپے پہ فدا ہونے لگیں ——

دُلہن پاشا تک پہنچے تو چہرہ مردانے سے زنانے تک کا لمبا جگمگاتا فاصلہ طے کرنے میں ہلکے ہلکے پسینے سے چمک اُٹھا تھا —— اتنا خوبرو مرد ہو تو کسی اتائن کا کیا ہے، سات پردوں میں رہنے والی بھی جی ہار سکتی ہے —— دُلہن پاشا نے بڑے انداز سے پوچھا:

"میرے بلانے پر غصّہ تو نہیں آیا آپ کو ——" وہ خوش دلی سے ہنسے۔

"آپ تو زندے کو بلاتے —— مرے کو بھی بلاتے تو ہم قبر سے اُٹھ کر آجاتے۔"

"اللہ مر جاؤں ——" دُلہن پاشا گالوں کو چھلّے اور انگوٹھیوں بھری انگلیوں سے ہولے ہولے مارتی ہوئی بولیں۔ کیسی بُری زبان نکالے جی آپ —— اللہ نہ کرے کی آپ چھاؤں کو بھی کچھ دھکا لگو ——" وہ زور سے ہنسے۔

"اچھا یہ تو بتائیے کہ یہ بے وخت یاد کیسے کئے آپ ——" بھولی بھالی بیگم نے دل کے دُبدھے کو چھپائے بغیر صاف سیدھے انداز میں پوچھا۔

"آپ خود تو حیا اتائن کا گانا شوخ سے سُنے مگر ہم کو کبھی نہیں سُناتے ——" نواب شوکت نے دماغ پہ زور ڈالا —— کچھ دیر ماتھے پہ اُنگلی ٹکا کے سوچتے رہے، پھر بولے:

"حیا —— ؟ حیا کون —— ؟"

دُلہن پاشا کے دل کو قرار آگیا —— نواب صاحب کے چہرے پہ بناوٹ کا نام نشان تک نہ تھا —— جو مرد ماضی میں برتی ہوئی عورتوں کو اس آسانی سے بھول جاتے ہیں کہ ماتھے پہ اُنگلی ٹکا کر دیر تک سوچنے پر بھی یادوں کے اُفق پہ کوئی چاند نہ جگمگائے وہ بڑے اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں —— وہ مُسکرا کر بولیں:

"آپ کو ابھی تک یاد نہیں آیا —— ؟"

اس بار انہوں نے "آہا —— اچھا —— اچھا —— وہ" کہہ کر بڑے خلوص سے

اعتراف کیا ——، ہاں یاد آگیا —— ایک بار یہاں محل میں آئی تھی —— ہم ہی بلوائے تھے
—— سچی بہوت ہی اچھی آئی تھی —— ناچتی بھی خوب تھی —— گاتی بھی خوب تھی ——
وہ اطمینان سے چاندی کے چھپر کھٹ پر ٹک گئے —— جوتے سمیت پاؤں اُٹھا کر اوپر ہی
رکھ لئے اور مزے مزے سے سُنانے لگے ——

"اصل میں اس کی ماں جو تھی نا، وہ ناچنے گانے کے اور بجانے کے فن سے بھی
بہت اچھی واقفیت رکھتی تھی —— اُن ماں بیٹی کے، سازندے بھی خوب تھے —— ان
لوگوں کا طریقہ کیا تھا معلوم —— ان کے اُستاد طبلے کے بڑے اچھے اُستاد تھے ——
ناچنے سے پہلے اُنوں کوئی بھی ایک تال خوب دیر تک بجاتے تھے —— اب ہم تو اتی
باریکی سے نہیں سمجھ سکتے نا —— کسی کو وہ جھپ تال بولتے تھے —— کسی کو تال دادرا
—— اور بھی اللہ معلوم کیا کیا —— پھر جب گھنگھرو والے دھا دھا اور تن تن اور کبھی نیں
معلوم کیا اُن کر مست ہو جاتے تھے تو وہ بہت سارے سازاں بجا بجا کر اپنی بیٹی کو ——
ہمارا مطلب ہے وہ ماں اپنی بیٹی کو نچانے کو کھڑا کر دیتی تھی —— آپ پوچھو نا یہ سب
لڑکیاں دیکھے ہوئیں گے ضرور ——" انہوں نے پاس، دُور کھڑی لڑکیوں کی طرف اشارہ
کر کے بڑے خلوص سے کہا

"ہور وہ گانا بھی بہت اچھا گاتی تھی ——؟"

"گانا تو گانا —— آواز اتی اچھی تھی کی ہم کو مثال یا تشبیہ بھی نہیں سوجھتی ——
سچی اس معاملے میں تو آپ بدنصیب ہیں ——" وہ چھپر کھٹ پہ رکھے خاصدان میں سے
ایک سونے کے ورق میں مڑھی گلوری موہنہ میں ڈال کر تکیے کے گال کو اُنگلی سے چھونے اور
بلنے لگے —— مرد اگر کسی عورت کے ذکر پر آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، آنکھیں جھپکانے
لگے —— ذکر سے کترانے لگے یا جان بوجھ کر اس موضوع سے دُور بھاگنے لگے تو سمجھو
کہ پانی مرتا ہے —— اور یہی چیز خطرے کی علامت ہے لیکن جب کوئی مرد کسی غیر عورت

کے بارے میں بڑے کھلے دل سے بات کرے تو سمجھو کہ واقعی اس کا دل کھلا ہے، اس میں کچھ بھی نہیں ـــــ کم سے کم اس عورت کے متعلق تو کچھ بھی نہیں جس کی بات اس وقت چل رہی ہے ـــــ

"کیوں میں کاہے کو بدنصیب ہوں۔ ـــــ" وہ مسکرا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"اب یہ بدنصیبی نئیں تو اور کیا ہے کہ آپ اِتی اچھی ناچنے والی کا ناچ دیکھے منہ گانے والی کا گانا سُنے ـــــ"

"تو اب سُنوا دیجئے نا ـــــ"

"اب ـــــ؟" وہ 'اب' کو لمبا کر کے بولے: "ارے باوا وہ تو کدھر مَر کھپ گئی خدا معلوم ـــــ" اور ایسا کہتے ہوئے وہ ذرّہ بھر بھی اُداس تھے نہ غم زدہ ـــــ اپنے بچے اور بیوی کے پاس بیٹھے وہ دُنیا کے سب سے مطمئن اور مسرور شخص لگ رہے تھے دُلہن پاشا کا دِل ہر وسوسے سے پاک ہو گیا ـــــ لاڈ سے مُسکرا کر بولیں:

"اَئی واہ ـــــ سلیم شاہی جوتے ہَیں تو کیا خُدائی تحفہ ہو گئے کہ میرے ریشمی بستر پر اتنچ لے چڑھ گئے آپ ـــــ ہور اب باہر جائیے نا ـــــ ایک بات پوچھنے کو بُلائی تو یہیں جم کر بیٹھ گئے، باہر گانا شروع ہونے والا ہوئیں گا ـــــ لوگاں کیا سوچیں گے ـــــ"

"لوگاں کیا سوچیں گے، وہ تو لوگاں سوچیں ـــــ" وہ دُلہن پاشا کے دس دن کے دودھ سے بوجھل سینے کو للچائی نظر سے دیکھتے ہوئے بولے: "ہم آپ کو بتانا کیا کی ہم کیا سوچ رہیں ـــــ؟" دُلہن پاشا شرم، خوشی اور فخر سے سُرخ ہو کر دِل ہی دل میں سوچنے لگیں۔

"موئی ـــــ یہ پوتیاں بھی ایک نمبر کی لپاٹیاں ہیں چپ چپ دِل سے کچھ بھی لگا دیتا، کبھی میں 'اُوں' کا دِل اٹکا دار رہا تھا تو اوں میرے پر ایسا لہلوٹ ہوتے کتے کیا ـــــ؟"

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ نواب شوکت ایک چھوڑ کئی جانوں سے اپنی دُلہن پر فدا تھے ـــــ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اِدھر اُدھر مونہہ مارنے والے جب گھر والے ہوئے تو بیوی ہی کے ہو کر رہ گئے ـــــ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہر طرف کے، ہر طرح کے مزے چکھ لینے کے بعد دِل بھر سا جاتا ہے اور پھر شادی ہو جائے تو ایک بیوی سے مطمئن ہو جاتے ہیں ـــــ اور بڑے شریف پارسا جو کسی لڑکی کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھاتے ہوں شرافت کے ایسے دعوے دار ہوں، وہ شادی کے بعد خوب کھُل کھیلتے ہیں ـــــ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت جیسے لذیذ پھل کا ذائقہ پہلے تو کبھی چکھا نہیں ہوتا ـــــ بعد میں یہ افسوس اور پچھتاوا آتا ہو کہ "ارے واہ ایسے مزے سے یونہی محروم رہے ـــــ" اور یوں اِدھر اُدھر تِریا چکنا شروع ـــــ

تو نواب شوکت اتنے دِنوں کنوارے رہے تھے، یونہی نہیں رہے تھے، ایک ایک کلی سونگھی، ایک ایک کچا، پکّا، اَدھ پکّا پھل چکھا اور جب خوب مزے باغِ زندگی کے لوٹ لئے تو چلو ماں کو خوش کرنے اور نسل چلانے شادی بھی کر ہی لو ـــــ سو کر لی ـــــ اور اللہ نے نسل چلانے کا انتظام بھی کر ہی دیا ـــــ پہلا ہی بٹیا دیا۔ ساس کی نظروں میں بھی بہو قابلِ عزت ٹھیریں کہ سال نہیں گزرا اور دادی بنا دیا ـــــ اور دادی بھی پوتی کی نہیں پوتے کی ـــــ اور شوہر تو بیٹے کے باپ بنا دِئے جانے پر دُلہن کے قدموں تلے قالین بن کر بچھ گئے ـــــ

لیکن یہ بھی اللہ کی شان کہو کہ پہلا تو بٹیا دے دیا کہ بہو پاشا کی للّو تپّو ہو جائے خوب قدر عزت چاہت کی مستحق ہو جائیں، اس کے بعد تو وہ بٹیوں کی برسات ہوئی کہ بس ـــــ تجربے والیوں نے تو یہ بات پہلے بیٹے کے نام رکھائی کے موقع پر ہی کہہ دی تھی ـــــ جب بہو پاشا گود میں بیٹے کو لے کر بیٹھیں تو بچّے کے سرہانے کی طرف بڑی ہلچل بیٹھی ہوئی تھیں ـــــ دھیرے سے بولیں :

"اَئی چھوٹے نواب کے سر میں تو ایک ہی کھنورا ہے ــــــ"، انھوں نے ننھے سے بالوں بھرے سر میں انگلی گھماتے ہوئے دوسرا کھنورا ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا : "ایک کھنورا ہے تو اگلی بیٹی ہوتی ہے لوگ کہتے ــــــ"۔

دوسری تائی بی تھیں جو وثوق سے بولیں : "ہو برابر بات ہے ــــــ ہم زندگی بھر سے دیکھتے آئیں ــــــ"۔

تیسری چچی بیگم تھیں جو مسکرا کر بولیں : "کتنی مبارک بات ہے نا ــــــ بیٹی آئی تو آنگن میں رسیوں پر رنگین کپڑے سوکھتے ہوئے دکھتے ــــــ گھر میں بہار آجاتی ــــــ"۔

دلہن پاشا کے موںہہ پر بھی بہار سی آگئی ــــــ پہلے بیٹے کے بعد بیٹی ہو جائے تو عورت پن کے سارے ارمان پورے ہو جاتے ہیں ــــــ بعد میں خدا جو جی چاہے دیتا رہے ــــــ سو خدا نے یہ چاہا کہ بیٹیاں دیتا رہے ــــــ

دادی ماں نے ارمانوں سے پوتے کا نام سطوت رکھا ــــــ بولیں : "وہ اُتنے خود بھی سر بلند ہو۔ ہو را اللہ کرو باپ دادا کا نام بھی اونچا کرو ــــــ سو سرفراز بھی اچھا نام ہے ہو رساتھ میں سرفراز کے بعد اس کے دادا حضرت کا نام لگا دیو ــــــ" مارے شرم کے انھوں نے سطوت نام نہیں لیا کہ شریف بیبیاں مرتی مر جاتی ہیں ــــــ لیکن اپنی زبان سے کبھی شوہر کا نام نہیں لیا کرتیں ــــــ لیکن دادی کے کہنے پر نام سرفراز ہی رکھا گیا ــــــ اور شاید یہ سرفرازی اسی ایک دم کے نصیب میں خدا نے دی کہ نسل چلے تو اسی سے چراغ جلے تو اسی سے اور بڑھاپے میں موںہہ میں پانی دیوانے ــــــ

نواب سرفراز پاؤں پاؤں چلنے جیسے بھی نہیں ہوئے کہ دلہن پاشا پھر ابکائیوں اور اُلٹیوں پر پڑ گئیں۔ دودھ بڑھانا پڑا۔ ننھے منے سے نواب کی سمجھ گھٹی میں لڑکیاں پڑ گئیں ماں تو ویسے بھی نواب کی بیٹی، نواب کی بہو، نواب بیگم تھیں ــــــ پان کا ڈبہ بھی کبھی تو ڈ کر نہ دیا ــــــ بچے تو کیا سنبھالتیں کہ ایک ایک کام پر دس دس خواصیں تھیں ــــــ ہاں دودھ پلانے

بھر کی ضرور رشا دار تھیں ــــ لیکن اب جو دودھ چھٹا تو ماں کا ساتھ بھی چھٹا اور بجائے بڑی عورتوں اور خواصوں کے ننھی منی چھوکریوں کی گودوں میں پلنے لگے ــــ اس کی گود سے اس کی گود میں ــــ اس کی گود سے اس کی گود میں ــــ

نواب سرفراز چھوٹے پاشا کے نام سے نانوتے گئے ــــ ہر چند کہ دادی حضور بولیتیں ــــ "آگے اُجاڑ مارو آئے، سب سے بڑا ہے۔ اس کو بڑے پاشا بولا ــــ" لیکن کوئی کان نہ دیتا اور وہ چھوٹے پاشا ہی باجے ــــ چھوٹے پاشا بھائی بن گئے ــــ ننھی سی بہن ماں کی گود میں آئیں اور ماں کی خوشیاں مکمل ہوگئیں ــــ چھوٹے پاشا کا لاڈ دلار ابھی بھی کرتیں ــــ پہلی اولاد ــــ پہلی محبت، اور وہ بھی بیٹا۔ کیسے بھلا دیتیں ــــ لیکن ننھی منی گڑیا گود میں آئی تو جیسے ساری توجہ کھینچ لی ــــ اور ویسے بھی نیا پیدا ہونے والا بچہ، ماں کو اپنے لئے وقف کرا لیتا ہے۔

محل میں عورتوں اور لڑکیوں کا ہی بازار تھا، لڑکے بالے تھے لیکن گنتی کے ــــ محل میں زنانے حصے میں مرد نوکروں کا آنا جانا کم ہی کم تھا ــــ کام پڑتا تو کچھ دیر کو اندر آتے پھر باہر کے باہر ــــ ہاں نوکرانیوں کی دھکم پیل تھی ــــ چھوٹے پاشا کے آگے یہاں وہاں چھوکریاں ہی چھوکریاں ــــ ننھے سے موہنہ سے پہلے پہل بات کرنی سیکھی تو بالکل چھوکریوں کے انداز میں۔ بچہ ماحول ہی سے تو سیکھتا ہے ــــ ان کے کانوں میں آتیوں ۔ جاتیوں ۔ کھاتیوں ۔ سوتیوں ۔ آتی ۔ جاتی ۔ سوتی ایسے ہی الفاظ پڑتے رہتے تھے ــــ اور کم بخت ماری چھوکریاں مارے محبت کے خود بھی انہیں بجائے ایک لڑکے کے، لڑکی کی طرح مخاطب کرتی تھیں ــــ حشمت گود میں اٹھا کر پوچھتی:

"میرے کلیجے کی ٹکڑی ہے نا گے یہ ــــ دودھ پیتی ــــ؟"

دھنو ادھر سے بولتی: "تو باغ میں گھومنے چلتی ــــ؟"

گلشن لپٹا لپٹا کے پیار کرتی اور پوچھتی: "تو کھانا کھاتی ــــ؟" سلاتے سے

پہلے خوب محبّت کے دورے ان چھوکریوں کو پڑتے ـــــ

"سو جانا وہ تو ـــــ سو جاتی ـــــ ؟ پھر کب اٹھیں گی تو ـــــ چل سو جا ـــــ پھر صبح اُٹھیں گی تو اپن کھیلیں گے تو کھیلیں گی نا میرے ساتھ ـــ"

ننھے مُنّے ہونٹوں اور زبان سے پہلے پہل بول نکلے تو دادی ـــــ ماں ـــــ باپ خوشی سے بے حال ہو گئے ـــــ ہنسی رُکتی نہ رُکتی نہ تھی ـــــ چھوٹے پاشا کو کھانے کا کہا جاتا تو بولے ۔

"نئیں کھاتی ہیں ـــــ"

"دودھ پی لیو چھوٹے پاشا ـــــ"

"وہ غصّے سے بولتے ـــــ" نئیں پیتی ہیں ـــــ"

پھر یکے بعد دیگرے بہنیں دُنیا میں آنی شروع ہوئیں ـــــ پانچ بہنوں نے آنگن ایسا رنگین ہوا کہ سوائے ہرے، نیلے، پیلے، لال، اودے کپڑوں کے الگنیوں اور رسیوں پر کچھ دکھائی ہی نہ دینے لگا ـــــ بہنیں تو تھیں ہی لڑکیوں کی جون میں ـــــ وہ اپنے طور پر بات کرتیں تو بھائی اور اور بھی وہی انداز سیکھتے جاتے ۔

پہلے بیٹے تھے ـــــ پہلوٹھی کی اولاد ویسے بھی تیم چڑھی ہوتی ہے اور یہ تو پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے ـــــ کسی بات پہ روکا ٹوکا نہ گیا ـــــ جی بھر کے لاڈ میں سڑائے گئے ـــــ اچھے خاصے بڑے بھی ہو گئے لیکن بات چیت میں وہی زنانہ پن ـــــ کبھی کبھار باپ اُلجھ کر بولتے بھی ـــــ

"بیٹے آپ کیا عورت بچّی کے ولیا آتیوں جاتیوں کرلیتے ـــــ" حالانکہ وہ بیٹے کے ہر انداز پر فدا تھے ـــــ تو دادی یا ماں بیچ میں پڑ کر فوراً بات کاٹ دیتیں ۔

"ابھی عمر ہچ کیا ہے ـــــ وقت پہ سب باتاں سیکھ لیں گا ـــــ" لیکن وہ وقت کبھی نہ آیا ـــــ مولوی صاحب پڑھانے کے لئے مقرر کئے گئے وہ بول بتا کر ہار

گئے ــــ یہ مان کر نہ دیتے ــــ وہ چڑ چڑ جاتے ــــ

"نواب صاحب آپ نچے ہیں ــــ مرد نچے ــــ آپ عورتوں کے ویسی بات نکو کرو ــــ" وہاں اتنی عقل اور تمیز ہی باقی نہ رہی تھی کہ عورت اور مرد کا فرق سمجھ سکتے ــــ ذرا بڑے ہوتے تھے اور مدرسہ "تحتانیہ" میں داخل کئے گئے تو خود کا بھی چھٹ پن تھا اور دوسرے بچوں کا بھی ــــ معاملہ چل گیا ــــ وہاں سے بڑھ کر "وسطانیہ" میں گئے تو ساتھ کے لڑکوں نے ذرا ہنسی اڑانی شروع کی، لیکن روپے اور امارت کے زور پر معاملہ دبتا گیا ــــ لیکن اصل مصیبت اس وقت آئی جب سب نچلے درجوں سے نپٹ کر "مدرسہ فوقانیہ" میں داخل کئے گئے ــــ یہاں ایک دُنیا ہی دوسری تھی ــــ غریب، امیر بلکہ رؤسا و شرفا کے لڑکے اسکول میں پڑھتے تھے ــــ یہاں کون ان کی امارت سے دبنے چلا تھا ــــ اچھی خاصی عمر ہو گئی تھی، روز روتے ہوئے گھر کو آتے ــــ ساتھ میں خادم جاتا تھا، کھانے کی چھٹی کے وقت تو وہ لڑکوں کو ڈھیلے، پتھر کھینچ کھینچ کر بار بار مارتا، لیکن کلاس کے اندر لڑکے ستانے سے باز نہ آتے۔ مولوی صاحبان، جناب صاحبان (اساتذہ) سوال کرتے۔

"سرفراز ــــ تم کو کیا معلوم ہے کی دُنیا گول ہے؟"

یہ بڑی سادگی سے جواب دیتے: "میں آج سبق یاد نئیں کری ــــ" جناب کے روکنے منع کرنے پر بھی کلاس روم میں ہنسی کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ــــ کلاس ختم ہوتے ہی لڑکے شروع ہو جاتے۔

"اے اے تو کل اسکول آئیں گی کی نئیں ــــ"

"تو گھر کو شکرام میں جارئی کی پیدل جارئی ــــ"

"آج یاد نئیں کری تھی کل سبق یاد کر کے آئیں گی کی نئیں ــــ"

ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ سرفراز نواب گھر کے، محل کے ہی ہو کر رہ گئے بس ــــ

مدرسے جانا چھوڑ دیا ـــــ محل ہی میں مولوی صاحبان مقرر کر دیے گئے ـــــ حساب، جغرافیہ، تاریخ، اُردو انگریزی ـــــ سب کے الگ الگ مولوی صاحبان ـــ قرآن شریف پڑھانے والے مولوی صاحب تو خیر محل ہی سے متصل مسجد میں ہمیشہ سے رہتے چلے آتے تھے جو محل کے اور بھی سبھی بچّوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔

نواب شوکت کو پہلے پہل جب پتہ چلا کہ صاحبزادے مدرسہ چھوڑ چھاڑ محل میں ہی پڑھائی حاصل کر رہے ہیں تو وہ بہت بھنّائے ـــــ ماں سے اُلجھے ـــــ بیوی پر بگڑے لیکن وہاں کسی نے انھیں کچھ گِنا ہی نہیں ـــــ دادی حضور نے تو صاف کہہ دیا:

"اُجاڑ ہم کوئی نوکری کروانے کی ہے بچّے کو ـــــ اتّی سر کی جان پڑلیی ہپ میرے کو مکّو ـــــ مرد بچّہ پڑھا سو پڑھا، نیَں پڑھا، سو نیَں پڑھا ـــــ"

دُلہن پاشا بولیں: "باپ سے تو زیادہ ایچ پڑھ گیا ہے ـــ اب کتّا پڑھانا ہور"

شوکت نواب اُن کی بات پر بجائے غصّہ ہونے یا چڑنے کے مُسکرا دیتے۔

یہ حقیقت بھی تھی کہ سرفراز ان سے زیادہ تعلیم حاصل کر چکے تھے ـــــ صرف ایک اندازِ گفتگو نسوانی تھا ـــــ ویسے اچھّے خاصے ہاتھ پاؤں نکالے تھے بیٹے نے ـــــ وہ تو مارے ڈر کے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے بیٹے کو، نگاہ بھر کر دیکھتے بھی نہ تھے ـــــ بڑے ہال میں جہاں خاندانی پُرانی پُرانی تصویریں لگی ہوئی تھیں، ان کی اپنی نوعمری کی جو تصاویر تھیں، عین مین سرفراز اُنھی کی شبیہ تھے ـــــ وہی قد و قامت ـــــ وہی چہرہ مُہرہ ـــــ وہی بال ـــــ وہی ناک کان ـــــ دیکھنے والے بھی کہتے تھے: "بالکل شوکت نواب کا لڑکپن دیکھ لو ـــــ"

مائیں لڑکوں کی ـــــ بیٹوں کی دیوانی ہوتی ہیں اور باپ بیٹیوں پر جان دیتے ہیں، یہ ساری دُنیا میں ہوتا ہے ـــــ لیکن یہاں ماں تو فدا تھیں ہی ـــــ خود نواب شوکت بھی بیٹے کے دیوانے تھے۔ حالانکہ وہ اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہونے دیتے

تھے۔ لیکن ان کی ہر ہر سانس میں وہی تو سمائے ہوئے تھے —— پہلے پہل تو انہیں بس ایسی ہی محبت تھی جیسے ایک باپ کو اپنی کسی بھی اولاد سے ہونی چاہئیے —— لیکن پیچھے بعد دیگرے جب بیٹیوں نے گھر ہی دیکھ لیا تو آپ ہی آپ بیٹے سے ان کی محبت بڑھتی چلی گئی۔ پانچ بیٹیوں کے بعد اولاد کی پیدائش کا سلسلہ خدا کی طرف سے خود ہی بند ہو گیا اور نواب سرفراز اکلوتے ولی عہد ثابت ہو گئے تو نواب شوکت بس انہیں دیکھ دیکھ کر جینے لگے۔

مارے محبت کے کسی بات پر روک ٹوک نہ کی —— نہ اچھے پر، نہ بُرے پر —— ان کے زنانی نسوانی اندازِ گفتگو پر بھی نہیں —— اسکول چھوڑ دیا اس پر بھی کچھ دل سے خفا نہ ہوئے —— اندر والا دل ہی اُن کی کسی بات پر غصہ نہیں کرنے دیتا تھا —— لیکن اب جیسے جیسے سرفراز نواب بڑے ہوتے جا رہے تھے —— باپ کی بے پناہ محبت میں ایک فکر بھی شامل ہوتی جا رہی تھی —— پہلے تو انہیں سرفراز کا اندازِ گفتگو ہی نسوانی لگتا تھا، لیکن اِدھر کچھ دنوں سے وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے سبھی انداز نسوانی ہیں —— بات کرتے میں لڑکیوں کی طرح نیچے دیکھنا —— کسی بھی بات پر شرما جانا —— مردانے میں مرد مہمانوں کی موجودگی میں شرمانا جھجکنا —— اس کے برخلاف چھوکریوں لڑکیوں اور کام کرنے والی خواصوں میں بہت اطمینان اور دل جمعی سے اُٹھنا بیٹھنا —— مگر بے تکلفی ان سے بھی نہیں ——

"کہیں —— کہیں ——" وہ ڈر کر سوچتے اور اپنے خیال کو خود ہی جھٹکتے۔ "کہیں صاحب زادے نام کے تو مرد نہیں ہیں —— ؟ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو پھر ہماری زندگی میں کیا رہ جائیں گا —— نہیں مولا نہیں تو اتنا ظلم نہیں کر سکتا ——"

اور اس دن اپنی خواب گاہ میں لیٹے لیٹے انہوں نے دوسرے کمرے سے آنے والی آوازوں کو سُنا تو وہ دہل کر رہ گئے —— غالباً اُلفت اور چنبیلی باتیں کر رہی تھیں —— اُلفت محل کی سب سے حسین اور طرح دار چھوکری تھی —— نواب شوکت عمر کے اس دورے

تو گزر گئے تھے جب نظر اِدھر اُدھر بھٹکتی ہے لیکن اُلفت کو دیکھ کر وہ سوچتے تھے کہ وہ دَور تو بے شک گزر گیا لیکن اُلفت تو ابھی وہیں کھڑی ہے ـــــ اور وہ کہیں یہ موقعہ نہ آنے دیتے تھے کہ اُلفت کے قریب سے بھی گزُر جائیں گے ـــــ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ کبھی بھی آسکتی ہے ـــــ

چنّو بی بھی اُلفت ہی کی عُمر کی تھی ـــــ جوان بھی تھی، لیکن بس چنو بی تھیں ـــــ یہ عجیب بات ہے پاکیزہ نفس سے پاکیزہ عورت بھی، کتنے ہی نیک خیالات رکھنے والی عورت بھی دل کے کسی نہ کسی گوشے میں خود نمائی اور مَرد کو اپنی طرف مائل کرنے والے جذبے کی غلام اور خواہش مند ضرور ہوتی ہے ـــــ مَرد کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کے عورت کی کسی ایسی حس کو ضرور تسکین ملتی ہے جو اُسے اپنی ہی نظروں میں مغرور بنا دیتی ہے ـــــ شاید آدم بعد میں پیدا ہوئے ہوتے تو عورت میں یہ جذبہ نہ ہوتا لیکن جب وہ آدم کی پسلی سے باہر آئی اور خوابیدہ آنکھوں کو ملتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا تو دُنیا میں پہلی بار یہ پہلی عورت، حوا کے دل میں خواہش جاگی ہو گی کہ یہ شخص جو بھی ہے مجھے دیکھے۔ حالانکہ اس وقت آئینہ وجود میں نہیں آیا ہو گا کہ حوا اپنا جان لیوا حُسن دیکھ بھی سکتی ـــــ لیکن آدم نے جن گرسنہ نگاہوں سے اسے دیکھا ہو گا، روزِ ازل سے وہ پیاس، دیکھنے کی پیاس، تشنگی مَرد کا مقدر رہی اور دیکھے جانے کی پیاس، عورت اپنے آپ کو دِکھوانے کی پیاس عورت کی انا بنی ـــــ اور اس وقت وہی عورت، وہی حوّا اپنی اسی اَنا کے ٹوٹ جانے پر ناگن سی پھُن پھنا رہی تھی۔

"پھر کیا ہوا؟" چنو بی پوچھ رہی تھی "اُوں بڑی بے فکری سے بول دیئے۔ میں یہاں پڑھتی بیٹھی ہوں، اب اٹھ کے نئیں جاتی ـــــ تو یہیں کپڑے بدل ڈال ـــــ"

"پھر کیا ہوا ـــــ؟"

"میرے آنگ پر کیا کوڑھ کے داغ تھے کہ میں چھپ کے بدلتی ـــــ میں ایک ایک

کر کے سارے کپڑے اُتار دی —— ہنس مت حرام خور —— صرف اُوپر کے کپڑے ۔"

"اگے میری ماں ——" چُنّو بی کی سخت وحشت زدہ آواز آئی ۔

"مگر تو یہ بھی تو سُن اُنوں بے حد مزے میں پڑھتے رہے —— ایک دوبار میرے طرف دیکھے بھی —— ہور مزے کی بات سُنی ، مزے سے کیا بولتے : "تم چھوکریاں چھاتی پے یہ کپڑا کیوں باندھتیں ——" ایسا غصّہ آیا ، جی میں آیا فوراً کپڑا اُٹھا کے دِکھا دیوں ہور پھر پوچھوں —— اب بولو —— آیا سمجھ میں کی کپڑا کیوں باندھتیں ——؟" چُنّو بی کی ہنسی روکتی آواز آئی ——

"سچی ایک آدھ دن دکھا ہی دے مزہ آجائیں گا ——" اُلفت بھن بھنا کر بولی "اَگے وہ —— ؟ وہ تو ایسا بچڑا ہے . دِکھا بھی دیوں تو سمجھیں گا —— کائے کو دکھارئی کی ؟ اور اس کو جسم کا ایک حِصّہ ایچ سمجھیں گا ——"

وہ دونوں تو قہقہے لگا رہی تھیں اور نواب شوکت کا دِل ڈوبا جا رہا تھا ۔

"اے مَولیٰ مجھ بدنصیب کا ایک ایچ بیٹا ہے —— خاندان کا نام چلانے والا —— مرے تو مونھ میں پانی ڈالنے والا —— مالک میرے کو یہ رسوائی اور بدنصیبی مت بتانا —— لیکن انھوں نے طے کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی پہچان کے حکیم ڈاکٹر کو اپنے بچے کو ضرور بتائیں گے —— پہلے انہوں نے اپنے یارِ غار ذاکر خاں سے مشورہ کر لینا بہتر سمجھا —— ذاکر خاں کوئی تین چار سال سے ہی ان کے دوست چلے آ رہے تھے لیکن ان کی دوستی میں کھوٹ نہیں تھا ایسے وفادار یار تھے کہ وقت پڑنے پر جان بھی بے دریغ نثار کر دیتے —— نہ نواب شوکت کے پیسے دولت سے غرض تھی نہ اُن کی جاہ و حشمت سے —— کبھی ہاں میں ہاں تک نہ مِلاتے —— دو ٹوک بات کرتے ، اگر کوئی غلط کام کرتے دیکھتے تو بلا تامّل اپنا مشورہ پیش کر دیتے —— نواب شوکت نے بارہا ان کو آزمایا تھا ، حالانکہ ان کی دوستی ابھی پُرانے پن کے زمرے میں بھی نہیں آئی تھی اور کتنی چھوٹی سی بات پر یہ دوستی استوار

ہوئی تھی ــــ ایک دن نواب شوکت بگھی پہ سوار کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کسی نے پٹاخہ چھوڑا اور گھوڑا بدک گیا ــــ ایسا بے قابو ہوا کہ بگھی اُلٹنے کی نوبت آ گئی ــــ دوسرا گھوڑا بگھی کو اپنی طرف کھینچے، بدکا سو گھوڑا اپنی طرف کھینچے ــــ کوچوان حیران ــــ بگھی کی گتیاں بن گئیں ــــ نہ آگے بڑھے، نہ پیچھے ہٹے، دونوں گھوڑے اپنی اپنی طبع آزمائی میں مصروف ــــ اسی اچھل تنخ میں کوچوان تو بیر کی طرح پٹ سے نیچے جا گرا اور گھوڑوں نے جب دیکھا کہ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تو ایسے بے قابو ہوئے کہ نواب شوکت اب گرے کہ تب گرے ــــ ایسے میں جانے کہاں سے ذاکر خاں نمودار ہوئے ــــ چھلانگ مار کر کوچوان کی گدی پہ چڑھے اور بے قابو گھوڑوں کو ایسی پھرتائی اور مردانگی سے رام کیا کہ کہاں تو بگھی بھاڑ میں پڑے چنے کی طرح بھٹک رہی تھی یا ایسی نرمی سے سہج سہج چلنے لگی، مانو کہاروں کے کندھوں پہ سوار دُلہن کی ڈولی چلی جاتی ہے۔

محل پہنچ کر نواب صاحب نے جب تھالی بھر روپے اور پانچ اشرفیاں خدمت میں گزاریں تو ذاکر خاں نے وہی تھالی اٹھا کر نواب صاحب کے سر پر سے واری اور سامنے کھڑے خادم کے حوالے کر کے اطمینان سے بولے :

" نواب صاحب کی جان کا صدقہ ــــ غریبوں میں بانٹ دو۔" نواب صاحب دنگ رہ گئے ــــ سمجھے خاندانی رئیس ہوں گے، پوچھا :

" خیلہ کرتے کیا ہیں آپ ــــ ؟"

لاپروائی سے بولے : " حضور کے ہی غلام ہیں سارے ــــ میں کیا میری اوقات کیا ــــ"، پھر مسکرا کر کہنے لگے : " ویسے میں بچوں کو پڑھاتا ہوں ــــ مدرس ہوں ــــ"

اس کے بعد تو نواب صاحب ذاکر خاں کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہزاروں کے لین دین اُنھی کے ہاتھوں انجام پانے لگے ــــ کیا مجال جو اُنھوں نے ایک دھیلہ بھی

اِدھر سے اُدھر کیا ہو ـــــ نواب صاحب کبھی شکایت کرتے :

"کبھئ ذاکر خاں تمہاری بس ایک ایچ عادت بُری ہے ـــــ کبھی ہمیں خوش ہونے کا موقع نئیں دیتے ـــــ" تو وہ ہنس کر بولتے ـــــ

"حضور جب کبھی ضرورت پڑے گی آپ ہی کے پاس تو آؤں گا ـــــ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ سے بڑا جو در ہے نا ـــــ سارے مطالبات وہیں سے پورے ہو جاتے ہیں تو کسی اور در پہ جانے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا ـــــ" اور وہ آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھا کر تشکر سے چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیر لیتے ـــــ ہوتے ہوتے دوستی اتنی بڑھی کہ محل کے اور سارے کاموں میں بھی ذاکر خاں ہی ذاکر خاں باجنے لگے ـــــ لوگوں کی نظروں میں کھٹلتے بھی ہوں گے ہی ـــــ لیکن ہیاؤ ایسا تھا کہ کسی کو مونہہ مارنے کی مجال نہ ہوئی ـــــ گھیر دار شلوار ـــــ اسی کپڑے کی قمیص ـــــ واسکٹ ـــــ اس پر کلغی دار صافہ ـــــ آباؤ اجداد رہے ہوں گے کبھی پشاور میں ـــــ اب تو مدتوں سے حیدرآباد دکن کے ہو کر رہ گئے تھے ـــــ صاف اُردو بولتے تھے ـــــ گورے خوب صورت ایسے تھے کہ نواب شوکت کا سا لباس اگر پہنا کرتے تو دونوں بھائی بھائی سجتے ـــــ لباس پہناوے کا کیا ہے، ملیں نہ ملیں دِل مِلنا چاہیئے، سو مِلا ہوا تھا ـــــ

ہر بار کی طرح اس بار بھی ذاکر خاں یاد آئے ـــــ

"آپ کیوں فکر کرتے ہیں حضور ـــــ صاحب زادے کو کسی ڈاکٹر کو بتا دیتے ہیں ـــــ"

نواب صاحب پریشانی سے بولے : "ذاکر خاں بات یہ ہے کی لڑکی ذات کی اگر بدنامی ہو جائے تو بُرا نہیں بُرتا ـــــ مگر مَرد ذات کی بدنامی ہو جائے تو لڑکیاں تو بہت مِل جاتے ـــــ سر بلندی نہیں ملتی ـــــ اور آپ جانو مَرد سر نیچا کر کے جیا تو کیا جیا ـــــ"

وہ تھوڑی دیر پریشانی سے سر جھکائے رہے پھر بولے : "ابھی گھر کی بات گھر میں ہے ـــــ چار لوگوں میں پھیل گئی تو مرد بچہ ہے شرم سے خودکشی نہ کر لے ـــــ"

"وہ خودکشی نہیں کر سکتے ـــــ"

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں ـــــ؟ ندامت اور شرم ایک مرد کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے ـــــ"

"اس لئے نہیں کر سکتے کہ ان میں خود ابھی اپنی مردانگی کا احساس ہی نہیں ہے۔ چلیے آپ کے خاندانی حکیم صاحب سے بات پھیل جانے کا خطرہ ہے تو کسی انگریزی پڑھے لکھے ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں ـــــ"

نواب صاحب ذرا مطمئن ہو کر بولے : "آپ کی نظر میں کوئی ڈاکٹر ایسا ہے؟"

"ہے ـــــ تبھی تو کہتا ہوں ـــــ"

ڈاکٹر فرحان لندن کے ڈگری یافتہ ڈاکٹر تھے اور ماہرِ نفسیات بھی ـــــ کمرے میں سر جھکائے سرفراز نواب کو بیٹھا دیکھا تو مونہہ سے کچھ نہ بولے ـــــ بس دیکھتے رہے ـــــ اچانک سرفراز نے ماحول سے بوکھلا کر باپ کی طرف دیکھا اور بولے :

"اب میں اندر جاتا ہوں ـــــ" نواب شوکت کے چہرے پر بیک وقت ندامت اور غم کی چھاپ اُبھر آئی اور انہوں نے بڑی تکلیف سے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا جو بڑی خوش خلقی سے سرفراز نواب سے کہہ رہے تھے ـــــ

"بیٹے آپ جا سکتے ہیں ـــــ لیکن آپ مرد ہیں ماشاءاللہ اتنے اونچے پورے

بھی — آپ کو کہنا چاہیئے — مَیں اندر جاتا ہوں —"

سرفراز نے ذرا حیرت سے اُنہیں دیکھا اور جلدی سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے — اُن کی چال کو ڈاکٹر صاحب نے غور سے دیکھا — بالکل مردانہ چال تھی — وہ ذرا مطمئن انداز میں نواب شوکت سے مخاطب ہوئے۔

"آپ کے کتنے لڑکے ہیں —؟"

"جی — بس یہی ایک —" وہ ذرا دُکھ سے بولے۔ "باقی سب لڑکیاں ہوئے —"

"کتنی لڑکیاں ہیں —؟"

"جی پانچ —"

"محل میں اور کون کون ہیں —"

"جی اُمی حضور — بیگم صاحبہ ہیں — پھر رشتے کے بہناں — سالیاں — پھپیاں اور بھی عورتاں ہی عورتاں —"

"صاحبزادے کو بچپن سے اب تک کس نے سنبھالا —؟"

"تین چار لڑکیاں اور آیا ماں نے اور ایک دو خواصاں بھی تھے —"

"صاحبزادے جوں جوں بڑے ہوتے گئے اُن کے دائرۂ احباب میں لڑکے بھی شامل ہوتے گئے — یا لڑکیاں ہی آس پاس رہیں —؟"

"محل میں پردے کی خاصی پابندی ہونے سے زنانے میں مرد نوکراں، حتیٰ کی چھوٹے چھوکرے بھی نہیں جا سکتے — مطلب یہ کی لڑکیاں چھوکریاں ہی چھوٹے نواب کو اب تک سنبھالے —"

"اب تک —؟" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پُوچھا۔

"اب تک سے آپ کی کیا مُراد ہے — عمر کیا ہو گی صاحبزادے کی —؟

مجھے تو سترہ اٹھارہ سال سے کسی طور کم نہیں لگتے ـــــ تو کیا اتنی عمر کے لوگوں کو اب تک سنبھالنا پڑتا ہے ـــــ؟" اُن کے لہجے کی خفگی نواب شوکت سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"جی آپ برابر سوچے ـــــ انوں آتی برساتوں میں پورے اٹھارہ برس کے ہو جائیں گے ـــــ" نواب صاحب سر جھکا کر بولے۔

"وہ تو آپ نہ بھی بتانے تو ظاہر ہے ـــــ باقاعدہ مونچھیں نکل آئی ہیں ـــ کلّوں اور جبڑوں پر رُواں پھُوٹ چکا ہے ـــــ ماشاءاللہ قد و قامت آپ کے برابر ہوا ہی چاہتا ہے ـــــ وہ کچھ رُک کے پھر دھیرے دھیرے بولنے لگے ـــــ

"یہ دراصل میڈیکل کیس ہے ہی نہیں ـــــ یہ صرف سائیکلوجی کی بات ہے ـــ آپ سے تھوڑے ہی سوالات کر کے مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا ـــــ ایک لڑکا جو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے ـــــ پانچ بیٹیوں کے ہونے سے اور بھی زیادہ لاڈلا بن گیا ہے ـــــ اسے کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی جاتی کیوں کہ اکلوتا ہے ـــــ لاڈلا ہے ـــــ محل میں گوشے پردے کی وجہ سے اُس کا سارا وقت، ہر ہر لمحہ صرف لڑکیوں اور عورتوں میں گزُرا ـــــ اُس کی بات چیت تک میں زنانہ چھاپ لگ گئی ـــــ شرم و حیا جو عورتوں کا فطری جوہر ہے، وہ، اسے بھی ماحول نے تحفے میں دیا ـــــ" اچانک وہ رُکے ـــــ "معاف کیجئے گا بات کچھ آداب سے گری ہوئی ہے لیکن محض علاج کی خاطر پوچھنا پڑ رہا ہے کہ صاحبزادے لڑکیوں میں دلچسپی لیتے ہیں کچھ ـــــ"

نواب صاحب نے رُک رُک کر جھجک جھجک کر الفت اور چنبیلی والا واقعہ مہذب انداز میں انہیں کہہ سنایا۔

"That it is ـــــ" ڈاکٹر صاحب صوفے کے ہتھے پر زور سے ہاتھ مار کر بولے "یہی اصل بات ہے۔ آپ نے بھلے سائیکلوجی نہ پڑھی ہو، عقل سے یہ سمجھ سکتے ہیں۔ ایک لڑکا ہمیشہ ہمیشہ لڑکیوں میں رہتے رہتے غیر محسوس طریقے پر خود کو بھی لڑکی سمجھنے لگا ہے۔ جد

یہ کہ وہ عورت کے اُن پوشیدہ مقامات کو بھی جو مرد میں جنسی تحریک پیدا کرتے ہیں، سادگی سے دیکھتا ہے اور بجائے ملتفت ہونے کے وہ اُن کے متعلق اس بے نیازی سے سوال جواب کرتا ہے جیسے وہ پوشیدہ مقامات نہ ہوں ـــــ آنکھ ـــــ ناک ـــــ کان ہوں ـــــ آپ نے سوچا ایسا کیوں ہوا ـــــ ؟ یہ اس لئے ہوا کہ لڑکیوں میں رہ رہ کر وہ یہ سوچتا ہے کہ ہم سبھی ایک جیسے ہیں۔ وہ سوچتا ہے جب میں لڑکیوں کے سامنے قمیص اُتار سکتا ہوں، تو لڑکیاں میرے سامنے کیوں نہیں اُتار سکتیں۔ اس لئے وہ اُس کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتا ـــــ ہمارے گھرانوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر خواتین مل کر ایک ہی ساتھ ایک ہی کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے کپڑے بدلنا شروع کر دیتی ہیں ـــــ معاف کیجئے وہ تھوڑا مسکرا کر بولے "یہ منظر میں نے نہیں دیکھا ـــــ یہ ضرور دیکھا ہے کہ ہنڑ میں ساری خواتین ایک ہی کمرے میں جمع ہو کر، تیار ہو ہو کر نکل رہی ہیں ـــــ ویسے ماہر نفسیات ہونے کی بنا پر بیوی سے اس بات کی تصدیق ضرور کی ہے اور اُنہوں نے بھی بڑی بے نیازی سے فرمایا ہے کہ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے ـــــ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ ؟" اب آپ پھر میرے اُسی پوائنٹ پر آیئے اور بیوی کے اس ریمارک کو ذہن میں رکھیے کہ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ" مطلب یہ کہ آپ کے بیٹے نے بچپن سے آنکھ کھولتے ہی ایک مخصوص زنانہ ماحول اپنے اِرد گرد پایا ـــــ ساری ادائیں لڑکیوں والی سیکھیں ـــــ اوروں سے تو شرم روا رکھی، جیسا کہ آپ کی باتوں سے پہلے ظاہر ہوا کہ اسکول میں بہت شرمیلے ثابت ہوئے کہ آخر اسکول چھوڑ دیا ـــــ لیکن عورتوں سے شرم اُسی انداز میں روا رکھی جیسی کہ عورتیں، عورتوں سے شرماتی ہیں ـــــ معاف کیجئے گا یہاں میں لفظ بناوٹ استعمال کروں گا ـــــ صحیح معنوں میں شرم ـــــ ایک عورت صرف مرد سے محسوس کرتی ہے ـــــ عورتوں سے عورتیں صرف دکھاوے کو شرماتی ہیں ـــــ بن بن کر اتراتی ہیں ـــــ آپ

کے بیٹے نے وہی ساری چھوٹی عورتوں والی ادائیں اپنا رکھی ہیں ــــ اور یہ سب صرف ایک نامناسب ماحول اور بے جا محبّت کی دین ہے ــــ بہر حال۔" وہ سانس لے کر بولے:

"آپ کو مژدہ ہو کہ آپ کے صاحبزادے مکمّل مرد ہیں ــــ"، نواب شوکت نے بڑی دیر سے رُکی ہوئی سانس چھوڑ کر ذاکر خاں کو دیکھا ــــ لیکن ڈاکٹر صاحب پھر سے مخاطب ہوئے ــــ لیکن آپ کو ــــ بہت کچھ سہنا ہوگا ــــ"

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے ڈاکٹر صاحب ــــ"، نواب صاحب گھبرا کر بولے ڈاکٹر صاحب نرمی سے مُسکرائے۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے نواب صاحب ــــ میرا مطلب یہ ہے کہ اس زنانے پن کے جال سے نکالنے کے لئے صاحبزادے کا علاج کرنا ہوگا ــــ"

"علاج ــــ آپ کہیں تو ہم اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیں ــــ"

"جی نہیں ــــ اشرفیوں کے ڈھیر ہر جگہ کام نہیں آتے ــــ اُنہیں ــــ میرا مطلب ہے نواب سرفراز کو کسی عورت کے ساتھ رکھنا پڑے گا ــــ"، نواب صاحب نے ڈاکٹر فرحان کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے اُن کے صحیح الدماغ ہونے میں شک ہو ــــ ڈاکٹر صاحب ان کی نظروں کا انداز سمجھ کر مُسکرا پڑے۔

"آپ یہی سوچ رہے ہیں نا کہ یہ ڈاکٹر خود پاگل لگتا ہے دوسروں کا علاج کیا کرے گا ــــ آپ نے غلط نہیں سوچا، آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی سوچ سکتا تھا کہ ایک لڑکا جو محض عورتوں کی تربیت، ساتھ اور سنگت کی وجہ اس حال کو پہنچا ہو اس کو پھر کسی عورت ہی کے ساتھ رکھنے کا نسخہ بتایا جائے ــــ لیکن نواب صاحب نفسیات چیز ہی یہی ہے ــــ اب ٹھہریئے میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاؤں ــــ اب تک جن عورتوں نے نواب سرفراز کو گھیرے رکھا ہے وہ سب اُن کی خوشامد در آمد، آگے پیچھے گھومنے پھرنے میں لگی رہی ہیں ــــ جیسا اُنہوں نے کہا اُن لڑکیوں نے مان لیا ــــ حد یہ کہ چونکہ اکلوتے ہیں

ماں، دادی، پھوپی، خالہ، سبھی نے ہر بات مانی ہوگی ___ اُن چھوکریوں نے تو ہر ہر بات کو حکم سمجھ کر تعمیل کی ہوگی جو خاص ملازمائیں تھیں ___ مجھے بتایئے نواب صاحب کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی لڑکی ان سے کسی بات میں روٹھی ہو اور اُسے سرفراز نواب نے خود منایا ہو! مرد کی فطرت میں بھنورا بننا لکھا ہے ___ اکلوتے ہونے نے آپ کے بیٹے کو تباہ کیا ___ مرد کی مردانگی اور انا جو کسی عورت کو منائے، پھسلائے، آنسو پونچھ کے سر اُٹھاتی ہے، وہ صاحبزادے کے وجود میں کہیں سوئی پڑی ہے اُسے کسی ایک ___ صرف ایک ایسی عورت کے حوالے کیجئے جو اُنہیں ٹھوکر سے اُڑائے ___ جو اُن کا سر اپنے سامنے جھکا کر فخر محسوس کرے ___ جو پوری پوری آنکھیں کھول کر اُنہیں نہ دیکھے، کن انکھیوں سے دیکھے اور اپنی دید کے لئے ترسائے ___" وہ رُکے ___ رُک کر مسکرائے ___ "پھر تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شرع میں چار شادیاں جائز ہیں ___" ہنس کر بولے "آپ میرا مطلب سمجھے یا نہیں۔ مطلب یہ کہ صاحب زادے اتنے جواں مرد ہیں کہ ایک عورت ایک بیوی کافی نہیں ہوگی ___" نواب صاحب بھی خوش دلی سے مسکرا دیئے ___ ڈاکٹر فرحان کی قابلیت کے وہ دل سے معترف ہو چکے تھے۔ واقعی نفسیات بھی کیا مضمون ہوگا ___؟ کیا سوچ سوچ کے سوالات کئے اور کیا جوابات دیئے ___ دل خوش ہو گیا اور مطمئن بھی ___ لیکن ایسی عورت کہاں سے ملے ___ محل میں ملنے سے تو رہی ___ اُنہوں نے ذرا تردد سے ڈاکٹر خاں کو دیکھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن کی آنکھوں کو پڑھ لیا۔

"بات ذرا بے ہودہ ہے نواب صاحب ___ لیکن آپ کو اس کام کے لئے کسی طوائف کو رکھنا پڑے گا ___ کسی گھریلو عورت یا لڑکی سے آپ اس کام کی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ناز و انداز سے ایسے مرد کو زیر کر سکے ___ بلکہ میں نے غلط کہا، ایسے مرد کو ابھار سکے۔

"حضور، اس بارے میں آپ فکر مند ہوں۔ یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں ___"

ڈاکٹر خاں اطمینان سے بولے ۔

" اور ویسے بھی ۔ ۔ ۔ ڈاکٹر صاحب ذرا رُک رُک کر بولے " آپ تو نواب ہیں اور نوابوں کے ہاں طوائفوں کا آنا جانا فیشن بھی سمجھا جاتا ہے اور ضرورت بھی ۔۔۔۔ " پھر وہ اُٹھتے ہوئے بولے ۔۔۔ " آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں ایسے کیس نظر سے گزرتے رہے ہیں کہ لڑکیاں لڑکوں میں مِل جُل کر رہتے رہتے اپنے نسوانی انداز کھو بیٹھیں، یا لڑکے لڑکیوں میں رہتے رہتے زنانہ انداز اختیار کر گئے ۔۔۔ لڑکیوں کے لئے تو یہ اتنا نقصان دہ نہیں ہے لیکن بعض صورتوں میں لڑکوں کے لئے خاصا (HARM FUL) ہارم فُل بن جاتا ہے لیکن صاحبِ نفسیات نے بھی انسان کی کیا کیا گرہیں کھولی ہیں ایک سائیکاٹرسٹ تو بعض وقت خدا کے سے معجزے بپا کر دیتا ہے ۔۔۔ " نواب صاحب کو کرتے کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھاتا دیکھا اُنھوں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا ۔

" ارے نواب صاحب ابھی رہنے دیجئے ۔۔۔ پہلے جو مَیں نے کہا ہے اس کو آزما دیکھئے ۔۔۔ جب تک مریض کو فائدہ نہ ہو جائے مَیں فیس نہیں لیتا ۔۔۔ فائدہ ہونے پر ہی بھرپور فیس لیتا ہوں اور اسی لئے اتنا امیر ہُوں ۔۔۔ " وہ خوش دلی سے ہنسے ۔

" مَیں آتا رہوں گا ۔۔۔ اپنے مریض کو صحت مند ہوتا دیکھنا ایک ڈاکٹر کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے ۔۔۔ اور ڈاکٹر صاحب ذرا اس سلسلے میں نواب صاحب کی مدد کیجئے ۔۔۔ کام گناہ آلود ہے، لیکن کراماً کاتبین اُسے ثواب کے کھاتے میں ڈالیں گے ۔۔۔ "

توبہ ۔۔۔ توبہ ۔۔۔ توبہ ۔۔۔

:: پنچھی بزاق ۔۔۔ حیدر آباد دکن کا بدنام محلہ ۔۔۔ اُن دِنوں بڑا نیک نام ہو رہا

تھا —— شہر بھر میں ایک طوائف کا چرچا تھا —— بڑے بڑے جس کے در پہ ماتھا ٹیکنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور اس کے رقص اور آواز کے جادو کے دیوانے تھے ——

کمانیوں دار چھجے مکانوں کا، سفیدی اور قلعی پھرے ہوئے شہ نشینوں کا جو سلسلہ یہاں سے وہاں تک یعنی ترّاق میں پھیلا ہوا تھا، وہ بازارِ حُسن کا بڑا معروف اور مصروف دربار تھا۔

پھول والوں کی سجی بنی دکانیں —— پنواڑیوں کے بنے ہوئے پان —— سونے، چاندی کے ورقوں میں تیار پان بیچنے کی دکانیں —— مٹھائی والوں کی دکانیں —— درگاہ جانے والی طوائفوں کی آسانی کے لئے عود بتیوں اور نقل دانے بیچنے والوں کی دکانیں، پھر نچلے طبقے کی چلتے گاہک کو روک کر خود موتہہ سے بلانے والی طوائفیں کہ جو گاہک کے ساتھ شب بسری سے قبل اس کے ہاتھ میں کھانے کی پوری ٹٹولتی ہوں، ایسی بھوک کی ماری طوائفوں کے توشے کے طور پر لے جانے والی تیل میں تلی جانے والی جلیبیوں، مُرکل، تلی ہوئی بیسن کی کھٹی مرچوں اور بجھیوں کی دکانیں ——

یہ یعنی ترّاق تھا —— یہاں کچھ ایسی بھی تھیں جو جسم کا کاروبار کرتی تھیں —— ایسی بھی جو صرف ناچ گا کر گاہکوں کا دل بہلاتی تھیں، پھر پچھواڑے کے کمروں میں جا کر شب بسری کا اہتمام بھی کر دیتی تھیں —— ایسی بھی جو کسی بھی رئیس نواب کو خوش آمدید بھی کہتی تھیں اور ایسی بھی جو کسی کے بلاوے پر محلوں، کوٹھیوں اور ڈیوڑھیوں پر بھی چلی جاتی تھیں —— یہاں پیاسے کنوؤں تک آتے تھے اور کنویں خود بھی چل کر پیاسوں تک پہنچ جاتے تھے —— لیکن کونے کا آخری مکان جو اپنی وضع قطع سے ہی کچھ الگ تھلگ سا لگتا تھا۔ اس کی مالکن بھی کچھ ایسی ہی عام خواتین سے الگ تھلگ سی تھی۔

جسم بیچنا اُس کے مذہب میں حرام تھا —— گانے بجانے کا سلسلہ بھی دل پر موقوف تھا —— کبھی تو یہ ہوتا کہ محفل سجی بیٹھی ہے —— لوگ منتظر ہیں کہ بی بی اب آئیں کہ تب آئیں —— اندر سے سندیسہ آگیا ——

"آج ناچنے کو دل نہیں کرتا ـــــ معافی چاہ رہی ہیں ـــــ"، کبھی محفل میں پُرسوز آواز سے گاتی بیٹھی ہیں کہ ناچنے کا دِل ہو گیا ـــــ طبلے، سارنگی، دف، تاشے، ہارمونیم، ڈھولکیا، ایک ساتھ سارے ساز چیخنے لگے اور ناچ رہی ہیں ـــــ ناچ رہی ہیں ـــــ بے حال ہونے تک ناچیں گی ـــــ

دِل کی غلام تھیں، اسی لئے بڑے بڑے نوابوں، جاگیرداروں کے ہاں سے نیوتے آتے ـــــ توڑے بھر بھر کر اشرفیوں کے لالچ دِئے جاتے، لیکن نہ جاتیں پر نہ جاتیں۔ لوگ آپس میں بولتے ـــــ

"ایسی پاتر (طوائف) تو دیکھے نہ سُنتے باوا ـــــ پیسے کے واسطے تو پاتر یا بازار بساتی ـــــ ہو را اِتنے پیسے کو لاتِ ٹھکراتی ـــــ"

نواب شوکت مدت ہوئی گانے بجانے کی محفلوں سے تائب ہو چکے تھے ـــــ تائب ان معنوں میں نہیں کہ ناچ دیکھنا یا گانا سُننا یک لخت ختم کر دیا ہو ـــــ اپنے نواب دوستوں کے ہاں کی تقریبوں، شادی بیاہ، بسم اللہ، ختنے، سالگراہوں، عیدوں بقرعیدوں میں جاتے اور طوائفوں کا ناچ گانا ہوتا تو بخوشی نہ صرف یہ کہ دیکھتے بلکہ جیبوں میں جو کچھ بھی ہوتا اور یہ بولے بتائے جیسی بات تو ہے نہیں کہ کیا کچھ نہ ہوتا ہو گا، جتنا کچھ بھی ہوتا سارا کا سارا دان کر کے آتے۔ البتہ تائب یوں ہو گئے تھے کہ اپنے محل میں طوائفوں کا بلانا قطعی بند کر دیا تھا ـــــ

اس بند کرنے میں کسی کنجوسی کو کوئی دخل نہ تھا، بلکہ بات یہ تھی کہ جوان جوان تین بیٹیوں کے باپ تھے۔ دو تو ابھی اتنی بڑی نہیں ہوتی تھیں، لیکن بیٹیوں کے باپ کو بہر حال دُنیا میں پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا پڑتا ہے ـــــ بیٹے باپ کا سر بلند کرتے ہیں بیٹیاں سر جھکا کر چلنے پر مجبور کرتی ہیں ـــــ وہ شوکت محل کے کرتا دھرتا تھے، اُن کے

سر پہ کوئی بڑا بزرگ مرد نہ تھا جو انہیں کسی بھی کام سے ٹوک سکتا ـــــ وہ مالک و مختار سبھی کچھ تھے، جو چاہتے کرتے۔ کون منع کر سکتا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر کچھ قیود عائد کر لی تھیں اور اپنی خود ساختہ قید میں وہ بہت مطمئن تھے ـــــ ایک لحاظ یہ بھی آتا تھا کہ "اب اچھی خوش و خرم مطمئن زندگی ہے ـــــ شریف محبت کرنے والی بیگم ہیں ـــــ بچے ہیں ـــــ اب خواہ مخواہ تو جوانی کے دنوں کے جیسے چونچلے کرو تو دل بھی خوش نہیں ہوتا اور پرے دنیا بھی نام رکھتی ـــــ وہ تو شادی سے پہلے، جب ذمہ داریاں نہیں تھیں تو چھڑے چھاٹ تھے۔ تب بھی امی حضور کو پتہ چل گیا تھا کہ بار بار ایک پاترجیا کے ہاں جاتے ہیں تو کتنا چڑتے تھے ـــــ آخر کو ابا بولے ابا سمجھائے کی ہم شادی اِیچ کرلتے ـــــ اب جب اتی اچھی زندگی ہے کی اس میں کوئی کھٹکا کوئی ڈبکا نہیں تو کائے کو لوگاں کو بولنے کا موقع دینا ـــــ"

تو لوگوں کو بولنے کا موقع دینے سے بچنے کی خاطر وہ اپنے محل پہ تو ناچ رنگ ـــــ کی محفلیں ختم کروا چکے تھے لیکن دوستوں کے ہاں آئے مہینے وہ ذکر سنتے تھے کہ آج کل ایک گانے اور ناچنے والی نے حیدر آباد کو دیوانہ بنا رکھا ہے ـــــ جسے دیکھو یہی ذکر ـــــ

"کیا ناچتی ہے توبہ ـــــ!"

"کیا گاتی ہے توبہ ـــــ!"

ایک دن نواب شوکت نے ذرا بے کیف ہو کر پوچھا: "آخر کس کے یہ چرچے ہیں ـــــ"

وہ اُس دن نواب جمال الدین کی ڈیوڑھی میں مدعو تھے ـــــ اُنہیں ذرا حیرت سے دیکھ کر نواب جمال الدین بولے:

"حضرت آپ ہوش میں ہیں یا نہیں ـــــ توبہ بول بول کے ساری خلقت جھوم رئی ہو رآپ پھر بھی یہی پوچھتے کی کون ہے اُنے ـــــ"

"تو کیا اُس کا نام ایچ توبہ ہے ـــــ؟" شوکت نواب حیرت سے بولے ـــــ

"میں تو اپنی مادری زبان میں بول رہا ہوں آپ نئیں سمجھے تو میرا کیا حضور ——"

نواب جمال الدین ہنسنے لگے —— کیا صورت ہے کی واہ۔ ہور کچھ شناسا سی بھی معلوم ہوتی۔"

"لیکن ہم اتے جگہوں پر اتے محفلوں میں گئے کبھی تو یہ کو نئیں دیکھے —— کیا پردہ کرتی اُنے ——؟" نواب شوکت مسکرا کر بولے ——

"پردے گوشے میں رہتی تو ایچ اچھا رہتا تھا —— اب تو کیا معلوم اُس کا گانا سن کر اُس کا ناچ دیکھ کر گھر آ کو کتے مرداں اپنے اپنے بیویوں کو طلاخ دے دئے ہوئیں گے ایسے ناز و انداز ہیں اس کے ——"

"مگر ہم تو کبھی اُس کو نئیں دیکھے ——"

"آپ اس واسطے نئیں دیکھے کی آپ کبھی اس کے گھر پہ نئیں گئے —— ہور وہ خود تو ایسی اصول والی ہے کی کسی کے گھر چل کر نئیں جاتی —— بولتی ہے: "جس کو میرا گانا سننے کا ہے میرا ناچ دیکھنے کا ہے وہ خود چل کر میرے پاس آتے، میں کیوں جاؤں"۔ آپ چلو نا کسی دن۔ کیا انداز ہیں۔ کیا ادایاں ہیں۔ ایک ایک نظر سو سو بجلیاں گراتی —— ہور گاتے میں اس کے ہاتھاں کے، آنکھاں کے، بھوؤں کے، ہونٹاں کے انداز ہور اشارے کیا بولوں —— غالب کا ایک شعر گاتی:

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

حضرت پہلے تو اُس نے چٹکی سے مسل کر خود شمع بجھا دی —— ہور اُس میں سے —— بتی میں سے جو دھواں نکلا تو اِدھر خود ایک سیاہ دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ گئی —— اداس —— غم گین —— تباہ و برباد —— اور پھر اپنی اداسی سے تاثر یہ دی کی عشق کا شعلہ —— جو کی اس وقت میں ہوں —— وہ ایسا سیاہ ہے —— پھر اُس کے کالا دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ جانے کا انداز —— بجھی ہوئی شمع میں سے نکلتا دھواں —— محفل کی وارفتگی —— حاضرین کا سانس روک کر

بیٹھے رہنا ـــــ اس ایک مخصوص موڑ پہ سازوں کا موقوف ہونا ـــــ پھر اچانک سازوں کی اونچی لے اور تال ـــــ ہو راُس کا اک دم سے مسکرا پڑنا ـــــ کہاں تو غم کی تصویر بنی بیٹھی تھی کہاں پھول کے ویسا ہنس پڑی ـــــ عورت ہے کہ بجلی ـــــ" پھر کان میں جھک کر ہنس کر بولے : " مگر بکاؤ نہیں ہے ـــــ بس یہیں ایچ آکر ساری گڑبڑ ہے ـــــ" نواب شوکت نے ذرا اُلجھ کر انہیں دیکھا اور بولے :

" میاں ـــــ اگر ایسی ہی گھریلو بی بی ہے تو پھر ناچتی گاتی ہی کیوں ہے ـــــ تم ہی سوچا کرو کی بکاؤ نئیں ہے۔ ہم تو مان کے تئیں دیتے والے"

آج اچانک نواب شوکت کو وہ باتیں یاد آئیں جو نواب جمال الدین سے ہوئی تھیں ـــــ جو جو صفات طوائف کی بتا رہے تھے ـــــ عین مین انہی صفات کی طوائف انہیں بیٹے کے لئے درکار تھی، جو صرف اپنے ناز و انداز سے ایک سوتے ہوئے مرد کو جگا دے ـــــ کیوں نہ وہ اسے بلوا بھیجیں۔

" ذاکر خاں ـــــ آپ پتہ اُٹھا کر ذرا پیچھی براخ محلے کے کونے والے مکان تک جائیں گے ذرا ـــــ"

"جی نہیں ـــــ" ذاکر خاں بے حد اطمینان سے بولے۔

"جی ـــــ؟" نواب صاحب ذرا غصے سے بولے ـــــ

"جی ہاں ـــــ آپ نے جس جگہ، جس محلے اور جس مکان کا پتہ بتایا ہے میں اُسے جانتا ہوں ـــــ وہاں تو یہ نامی ایک گانے بجانے والی بی بی رہتی ہیں، لیکن وہ اپنے اصول کی اتنی پکی ہیں کہ آپ اگر اپنی ساری جائداد بھی اُن کے نام لکھ دیں نا ـــــ تو بھی وہ یہاں آنے کے لئے اپنے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں نکالیں گی ـــــ" اتنا لمبا بیان دے کر ذاکر خاں اطمینان سے خلال کرنے لگے ـــــ

"کیا آپ اُسے پہچانتے ہیں جو اتنے اعتماد اور وثوق سے بول رہیں —" وہ غصّے سے بولے۔

"جی ہاں —" اُن کا اطمینان بحال تھا — اب نواب صاحب چونک پڑے۔

"کمال ہے — آپ جیسا شریف آدمی اور طوائف کو جانے پہچانے ؟"

"میں شریف ہوں یا نہیں اللہ جانے — لیکن طوائف کو پہچانتا ضرور ہوں — اس لیے کہ وہ میری بیٹی ہے —" نواب صاحب اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔

"ذاکر خاں —!" لیکن ذاکر خاں اُن کی طرف دیکھے بغیر کہے گئے: "میں ایک آپ ہی کی طرح کے دوست کے ہمراہ وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا — گانا سننا ناچ دیکھنا میرا شیوہ نہیں، میں اُن کے اصرار پر چلا گیا تھا — جا کر باہر کھلے صحن میں تسبیح رولنے لگا تھا — میں نمازی یا نیک یا پرہیزگار نہیں ہوں — نماز پڑھنا جان پر آتا ہے اس لئے اللہ میاں کو خوش کرنے کے لئے تسبیح ہمیشہ پڑھتا ہوں — آسان عبادت ہے بیٹھے بیٹھے موتی گراتے رہو۔ اللہ اللہ کرتے رہو — اللہ میاں نکتہ نواز ہیں، کیا پتہ اسی بہانے بخش دیں — گاتے گاتے بی بی تھک گئی — دُنیا والے کتنے ہی بازاروں نام سے اُسے پکاریں، میں اُسے بی بی کہتا ہوں، تو کوئی دوسری لڑکیاں ناچنے گانے کو بیٹھ گئیں — بی بی صحن میں پڑے پلنگ پر لیٹنے آئی تو میں وہیں بیٹھا تسبیح رول رہا تھا — اُس نے مجھے بابا کہہ کر مخاطب کیا تھا — اور تب سے، تبھی سے وہ میری بیٹی تھی — یا پھر ممکن ہے میری عقل کا پھیر ہو اور وہ سدا سے میری بیٹی رہی ہو —"

نواب صاحب نے ذرا حیرت سے اُس سرپھرے بوڑھے کو دیکھا۔

"اُس نے مجھ سے پوچھا تھا: "بابا آپ اس ماحول میں تسبیح پڑھنے آئے ہیں —" میں نے جو بات تھی اُسے بتا دی تھی —، جن نواب صاحب کے ساتھ میں آیا ہوں۔ آیا نہیں ہوں بھیجا گیا ہوں۔ اُن کی بیگم صاحبہ نے دوستی کے ناتے مجھے انہیں سنبھالنے کی خاطر

بھیجا ہے۔ کہیں رات کو واپسی میں اندھیرے اُجالے گر نہ پڑیں —— زیادہ بہک نہ جائیں
پھر اُس نے کہا : "بابا میں خود تو کہیں نہیں آتی جاتی ہوں —— آپ سے مِلنے کو جی چاہے
تو کہاں مِلوں —— کیوں کہ آپ سے بار بار مِلنے کو جی چاہے گا —— یہ دِل سے آواز آئی
ہے ——" اور جب میں نے پوچھا تھا کہ وہ خود کہیں کیوں نہیں جاتی تو اُس نے چند باتیں
بتائی تھیں —— اپنی مجبوریاں —— اور چونکہ میں اُسے بیٹی کہہ چکا تھا اِس لئے اُس کی
مجبوریوں سے مجبور ہو کر میں نے خود اس کے ہاں جانا شروع کر دیا —— ہفتے میں ایک بار۔
اور یہ سلسلہ مُدت سے جاری ہے —— اور اسی لئے یہ بات کہتا ہوں اور وثوق سے کہتا
ہوں کیوں کہ اسے جانتا ہوں پہچانتا ہوں کہ وہ نہیں آئے گی ——"

"آپ عورتوں کی اس ذات —— پاتر ذات کو نہیں سمجھتے ذاکر خاں —— آپ توڑا
بھر اشرفیاں لے جائیے —— کھنچی چلی نہ آئے تو ہمارا نام پلٹ دیجئے گا ——"

"ہو سکتا ہے کہ اُس کے گھر تک، اُس تک پہنچوں ہی نہیں، یونہی آکر کہہ دوں۔
یا یہ بھی ہو سکتا ہے جا کر آؤں بھی لیکن آپ کو یقین نہ آئے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ خود
ہی چلے جائیں —— ؟"

نواب صاحب سختی سے بولے : "نہیں ذاکر خاں، یہ نہیں ہو سکتا —— ہم اَب
عُمر کے اُس دَور میں ہیں کہ ہمارا ایک بھی غلط قدم پُورے خاندان کو تباہ کر سکتا —— کنوارے
رہے سو وحشت کی بات ہو رہی تھی —— اب کِسی پاتر کے گھر یہ جانا —— ؟ کبھی نہیں . . .
لاحول ولا ——"

اپنے طور پر نواب شوکت نے خود بھی ایک کام کیا —— محل کی تمام لڑکیوں عورتوں
سے کہہ دیا کہ وہ صیغہ مذکر میں بات کریں۔ دُلہن پاشا نے سُنا تو ناک پر اُنگلی رکھ کر بولیں :
"وو ئی یہ موئی کیا بات ہوئی جی ——"

"آپ کے سمجھ میں نہیں آئے گی —— بس اتنا ہم بولتے ہیں کی اب سب لوگاں لڑکوں مَردوں کے ویسی بات کرنا ——"

"مگر آخر کیوں —— ؟"

وہ بُڑبُڑ ہوکر بولے : "ارے باوا، جان جوان لڑکا محض ماحول کی وجہ سے مُتخیل لڑکیوں کے جیسی بات کر رہا ہے —— اب اُس کے آس پاس سب لڑکیاں، لڑکوں کے جیسی بات کریں گے تو وہ بھی وہی طریقہ اختیار کریں گا ——"

دوسری صبح بڑی بیٹی حسب معمول اسکول جاتے وقت اپنی ماں اور دادی کو سلام، خدا حافظ کہہ کر بولیں : "اچھا امی —— دادی ماں خدا حافظ —— اب میں چلنتیوں ——"

تو نواب صاحب تیزی سے بولے ——

"برکت بیٹے —— اب میں چلتاؤں بولو —— رات کو آپ کے امی سِکھائے تھے نا ——"

"جی ہو بابا —— میں بھُول گئی —— ارے —— بھُول گیا تھا ——"

دن بھر میں بھی یا رہنسی مذاق میں سب لڑکیاں ایک دوسرے کو ٹوکتیں ——

"دیکھ تُونے پھر جارئی بولی ——"

"اچھا باوا جاریا —— بس ——"

"دیکھ تُونے پھر کام کرتی بول دی ——"

"اتے اَب سے کام کرتا بولوں گی ——"

"ہائیں بولوں گی —— ؟"

"اچھا اچھا بولوں گا —— بس —— ؟"

نواب سرفراز حیرت سے سب کو اس طرح باتیں کرتا سُنتے —— اُنہیں سخت اٹ پٹا لگتا کہ سب نے اچانک اس طرح اپنی بولی کیوں بدل دی ہے —— حد یہ کہ اگر وہ خود بھی

بھوک نہ ہونے پر کہتے : ـــــ "میں کھانا نئیں کھاؤں گی ــــــ" تو کوئی نہ کوئی خادمہ اُنھیں ٹوکتی ـــــ

"چھوٹے نواب کھانا نئیں کھاؤں گی مت بولئے ــــــ کھانا نئیں کھاؤں گا بولئے ـــــ" لیکن اُن کی زبان پر نئی بولی چڑھ ہی نہیں رہی تھی ـــــ مزے کی بات یہ ہوئی کہ ادھر بیٹیوں برکت، نکہت، مسرت نے اسکول سے آکر ہنس ہنس کر ماں کو بتانا شروع کیا۔

"امّی پہلے پہلے تو لڑکیاں خود ہمارا مذاخ بنالئے کی یہ کیا لڑکوں کے جیسا بات کررئیں جی ــــــ مگر اب ہلو ہلو سبھی لوگاں ہمارے ویسا لڑکوں کی طرح باتاں کرلے رئیں۔"
امّی ناک پر اُنگلی رکھ کر بولیں : "تمہارے بابا حضور کے تو نرالے باتاں ہیں ماں ـــــ"

ذاکر خاں اشرفیاں لے کر گئے بھی اور واپس بھی آگئے ـــــ

"حضور میں آدمی کی پہچان رکھتا ہوں ـــــ وہ نہیں مانیں ـــــ"
"تھیلی بھر اشرفیاں واپس کردی اُننے ـــــ؟" نواب شوکت کا حیرت سے مُونہہ کھلا رہ گیا ـــــ

"میں آپ سے پہلے ہی عرض کرچکا تھا ـــــ"

"پھر اب ہم کیا کرنا ـــــ" وہ پریشانی سے بولے۔

"اب آپ بس یہ کیجئے کہ صاحب زادے کو خود وہاں بھجوا دیجئے ـــــ" وہ رسان سے بولے ـــــ

"دماغ خراب ہے آپ کا ـــــ" شوکت نواب چیخے۔ "ایک پانڑ کے گھر ایک نواب زادہ پہنچ جاتے ـــــ"

"علاج حضور علاج ـــــ" ذاکر خاں سمجھانے کے انداز میں نرمی سے بولے۔

"اور تو کوئی صورت نظر نہیں آتی ــــ وہ بی بی یہاں آنے پر راضی نہیں - آپ صاحبزادے کو وہاں بھجوانے پر راضی نہیں ــــ آخر بات کیسے بنے گی ــــ؟"

"کیا شہر کے سب پاتراں مرگئیں ــــ کیا اُسی میں سُرخاب کے پراں لگے وے ہیں ــــ؟" نواب صاحب اُلجھ کر بولے ــــ "آپ کسی اور کو ڈھونڈھئے ــــ"

"مَیں تو ہزار ڈھونڈھ لوں ــــ لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس قابل اُستاد کے بارے میں فرمایا ہے وہ ساری خصوصیات تو اُنہی بی بی میں ہیں بس ــــ آپ تو کبھی گئے نہیں نا ــــ ایک خلقت اُمڈی پڑتی ہے ــــ کوئی تو بات ہوگی نا ــــ" نواب صاحب بڑی دیر تک خاموش رہے پھر پوچھا ــــ

"محل میں بیگم پوچھیں گی نیچے کو کہاں بھجوا دئے تو ــــ؟"

"آپ کہہ دیں پہاڑ پہ بھجوا دیا ہے ــــ"

"اچھی خاصی تو صحت ہے - پہاڑ پہ کائے کو ــــ یہ تو کوئی معقول بہانہ نئیں ہُوا ــــ"

"تو یُوں کہہ دیجئے کہ ماشاءاللہ صاحب زادے اب جوان ہوتے ــــ کام کاج سنبھالنا تو اُنہی کو ہے ــــ زمینات اور موضعے کی دیکھ بھال اور جائزے کے لئے کچھ دِنوں کے لئے گاؤں بھجوا رہے ہیں ــــ اس پر تو بیگم صاحبہ معترض نہ ہوں گی ــــ آخر مَرد ہی کام سنبھالا کرتے ہیں ــــ!"

تھوڑی دیر سوچ کر نواب صاحب بولے : "کیا یہ نئیں ہو سکتا کی روز جائیں اور شام کو یا رات پڑے واپس آجائیں ــــ؟"

"اس میں خرابی یہ ہوگی کہ جس ماحول کی یکسانیت انہیں درکار ہے وہ باقی نہیں رہے گی ــــ رات کو یہاں آجانے سے پھر وہی محل ہوگا، نہ ہی لڑکیاں، وہی ماحول، چند روز متواتر وہاں رہ جائیں گے تو ایک نئی دُنیا سے روشناس ہو جائیں گے - آخر تو پھر اُسی

محل میں واپس آنا ہی ہے نا ــــــ؟"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں ــــــ" اُنھوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا: "اولاد کی محبت میں انسان کیسا کیسا خوار ہوتا ہے ــــــ ابھی مولیٰ جانے قسمت اور کیا دکھاتی ہے ــــــ!"

محفل اپنے عروج پر تھی ــــــ سجے ہوئے بڑے کمرے کے ایک طرف مسند بچھی ہوئی تھی ــــــ زرکار، منقش ــــــ صرف وہ حصہ جہاں بیٹھا کرتے ہیں مخملیں تھی، باقی سب طرف، حاشیوں میں وسط میں کارچوب کا کام کیا ہوا تھا ــــــ گاؤ تکیوں میں پیٹھ سے مس ہونے والا حصہ چھوڑ کر سلما ستارے کا جگمگاتا کام کیا ہوا تھا ــــــ اُس مسند پر کارچوب اور سلما ستارے سے بھی زیادہ جگمگاتی ہوئی ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی گا رہی تھی:

باغ میں گُل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
اُنگلیاں سرو اُٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جیتے جی کون عیادت کے اُٹھاتے احساں
اِس لئے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

ذاکر خاں کے ہمراہ جب نواب سرفراز اس محفل میں قدم رنجہ ہوئے تو وہ اس شعر پہ تھی ؎

دیر قاصد کو لگی اے دلِ مشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

نواب سرفراز اپنے باپ پہ ہی پڑے تھے ــــــ اداؤں میں نسوانیت کا اندازہ تھا تو کیا ہوا، تھے تو مرد ــــــ بھرپور کھلائی پلائی ــــــ اٹھارہ سال کے تھے، لیکن اپنی عمر سے دُگنے لگتے تھے ــــــ اُونچا پورا قد ــــــ بنی ہوئی تیار کاٹھی ــــــ مضبوط ہاتھ

پاؤں ـــــ سُرخ و سفید رنگ ، گھنے گھنے ہلکی لچک لئے ہوئے سیاہ بال ـــ کالے کھلے کے بھی خوب تھے ـــــ جب تک بات نہ کرتے محفل میں موجود لوگوں کی نظر اُن پر سے نہ ہٹتی ـــــ بس بات کرتے ہی سارا سحر ٹوٹ جاتا ـــــ

اور اُس وقت تو وہ خاموشی کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے ـــــ اور کس انداز سے ـــــ چمکتا ہُوا اطلس کا سفید پاجامہ ـــــ ریشمی کوسے کا کلی دار کُرتا ، پٹیوں میں ہیرے کے بٹن جگر مگر کرتے ہوئے ـــــ اُنگلیوں میں بھاری نگوں کی دو انگوٹھیاں ـــــ مونہہ پہ ہلکا ہلکا پسینہ جو انہیں اور بھی جاذبِ نظر بنائے دیتا تھا ۔ ایک ہاتھ میں سفید جینگ جیسا رومال سلیقے سے پکڑے ہوئے تھے ـــــ اُن کی وجیہہ شخصیت کا سب سے دلکش پہلو اُن کے بال اُس وقت جمے ہوتے تو یہ حسن اور بانکپن پیدا نہ ہوتا ـــــ ایک دو چھلّے ماتھے پہ آگرے تھے ، جنہیں اُنہوں نے مارے گھبراہٹ کے پیچھے کرنے کی بجائے یونہی چھوڑ دیا تھا ـــــ

گانے والی نے اُنہیں کن انکھیوں سے آتا دیکھا ، حاضرینِ محفل نے پوری پوری آنکھوں سے دیکھا اور شعر کے بول مزا دے گئے ـــــ اُن کے داخل ہوتے ہی مغنیّہ نے دوبارہ جان کر وہی شعر پڑھا ؎

دیر فت صد کو لگی اے دلِ مُشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کسی نے آوازہ کسا :

"اجی حضت اُنوں خود ہی آ گئے ـــــ" اور سب نے بیک وقت نواب سرفراز کی طرف دیکھا جو جھینپے جھینپے گدیلوں پر بچھی چاندنیوں میں سے ایک کے کونے پر ذرا اُدھر سے ٹِک گئے تھے ـــــ

سازوں کے شور میں ایک قہقہہ بُلند ہوا ۔ مغنّیہ کے گانے میں کوئی خلل نہ پڑا ۔

وہ اپنی رس بھری آواز سے گاتی ہی رہی ــــــ

ساتھ دشمن کے وہ کیا آئے قیامت آئی،

خاک میں ہم کو مِلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

لوگوں کی آدھی توجہ گانے سے ہٹ کر نواب سرفراز کی طرف ہو گئی تھی ــــــ نئے نئے دولہوں کی طرح اُن کا محفل میں شرمائے شرمائے انداز سے بیٹھنا سبھی کو متوجہ کئے لے رہا تھا ــــــ وہ کبھی کبھار ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر حاضرین کو دیکھتے، پھر گانے والی کو دیکھ کر فوراً نظر جُھکا لیتے ــــــ ایک بار اُنھوں نے ایسے ہی اچٹتی ہوئی نظر سے مغنیہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر گانے لگی ــــــ

کون آتا ہے بُرے وقت کسی کے پاس لے داغ

لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اس کے بعد اور غزلوں کی فرمائشیں ہوئیں ــــــ وہ گاتی رہی، سُننے والوں کا دِل لبھاتی رہی ــــــ سرفراز نواب شرما شرمی بیٹھے سُنتے رہے ــــــ وہ ان کی جھجک کو مُسکرا مُسکرا کر دیکھتی اور مزے لیتی رہی ــــــ

رات گئے جب محفل برخواست ہوئی، ساز بڑھا دئے گئے ــــــ مرجھائے پھولوں کی پتیوں اور تھالیوں میں پڑے سوکھتے پانوں کو سمیٹ کر چاندنیاں جھٹک دی گئیں۔ تو بھی نواب سرفراز اُسی چاندنی پر، اُسی کونے میں، اُسی انداز سے ٹکے بیٹھے رہے ــــــ سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے ــــــ مغنیہ نے ہنس کر اُن کی طرف دیکھا ــــــ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب آئی ذرا دوری پر ہی رُک کر مُسکرائی ــــــ

"کہئے قبلہ ــــــ اب کیا ارادے ہیں ــــــ" نواب سرفراز اسکول میں داخل ہونے والے پہلے دن کے بچے کی طرح کسمسا کر رہ گئے ــــــ

"آپ نے ــــــ" وہ رُک رُک کر اِٹھلا اِٹھلا کر بولی: "کوئی جواب نہیں دیا حضور!"

اب کی بار اُنہوں نے سر اُٹھا کر ایک لمحے کو دیکھا ـــــ مجھ سے کہلایا گیا ہے کہ آپ کی شرم و حیا دور کروں ـــــ کیسے کروں گی ـــــ" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی : "سخت مشکل ہے"

نواب سرفراز یونہی بیٹھے رہے ـــــ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تک نہ آئی ـــــ گھبراہٹ البتہ ہویدا تھی ـــــ

"موتہہ میں موتی ہیں کیا ـــــ ؟ اچھا بات کرنے سے گر جائیں گے ـــــ ! اسی لئے مُونہہ نہیں کھول رہے ہیں نا آپ ـــــ !!" وہ ہنسی ـــــ "اچھا ـــــ وعدہ رہا ـــــ سارے موتی سمیٹ کر آپ ہی کو دے دوں گی ـــــ چور نہیں ہوں ـــــ" ساری باتوں کے جواب میں نواب سرفراز نے اتنا کہا :

"نیند آرہی ہے میں سوتی ـــــ" وہ ہنس کر بڑے لاڈ سے بولی : "تو سوتی تو میں کب جاگتی ـــــ میں بھی سو جاؤں گی ـــــ" نواب سرفراز نے اُس کے اس انداز پر چونک کر اُسے دیکھا تو وہ بڑے عجیب سے لہجے میں کمر پہ ہاتھ رکھ کر بولی ۔

"مرد ہیں تو مردوں کی طرح بات کیجئے نا ـــــ یا پھر کنگن پہن لیجئے ـــــ لیکن آپ کے ہاتھ تو مردوں ہی کی طرح مضبوط اور بڑے بڑے ہیں، میرے کنگن چھوٹے پڑ جائیں گے ـــــ خیر سُنار سے کہہ کر بڑے بنوالوں گی ـــــ" نواب سرفراز کو اس کے طعنے بھرے انداز گفتگو سے عجیب کوفت ہوئی ـــــ محل میں تو بچپن سے لے کر آج تک کسی نے ایسی بدتمیزی اور تیزی سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی تھی ـــــ ذرا غصّے سے بولے :

"کیا میں چوڑیاں پہنوں گی ـــــ ؟"

"انداز تو یہی بتاتے ہیں کہ آپ چوڑیاں بھی پہنیں گے، دوپٹہ بھی اوڑھیں گے، مہندی بھی رچائیں گے اور ـــــ" وہ ہنسی ـــــ "سنگھار بھی کریں گے ـــــ"

"ذاکر چچا بولے کتنے گاؤں لے جارہیں ـــــ" امّی حضور سے جھوٹ بولے اُڑیں ـــــ میرے کو کال لا کے پٹخ دیئے ـــــ" اُن کے لہجے میں غصّہ بھرا ہوا تھا ـــــ

"بہت بُری جگہ ہے گیا یہ ــــ" وہ ناک چڑھا کر بولی ــــ انہوں نے سر اٹھا کر پہلی بار کھُلی اور پوری آنکھوں سے اُس کا چہرہ دیکھا ــــ خوبصورت چہرے پر چڑھی ہوئی تیکھی سی ناک، جس میں ایک نتھنی جھلملا رہی تھی اور اُس نے اُس وقت ناک سکوڑی ہوئی تھی اور بُلاوا بنی ہوئی تھی ــــ

"نہیں تو کیا اچھی ہے ــــ" وہ اُس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولے:

"پلنگ بے نام سہری ــــ" "آپ نے کیا سمجھا تھا ایسے ہی کسی سرائے میں چلے آئے ہیں؟ آیئے میرے ساتھ ــــ اُٹھئے، آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں ــــ" وہ تحکم سے بولی۔

وہ اُٹھے ــــ کس قدر بلند و بالا شخصیت ہے! اُس نے سوچا ــــ وہ اُن کے سامنے کتنی چھوٹی سی لگ رہی تھی ــــ اُن کی شخصیت کے سامنے دب کر رہ گئی تھی ــــ کوئی نہیں کہہ سکتا میں اُن سے بڑی ہوں ــــ اُس نے اپنے آپ میں سوچا ــــ وہ اپنے سفید سفید پیر سلیم شاہی جوتیوں میں پرو چکے تھے ــــ آگے پیچھے چلتے چلتے وہ ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں پہنچ گئے ــــ وہ کمرے کی نفاست اور سجاوٹ کو مونہہ اُونچا کر کے دیکھا کئے ــــ بولے کچھ نہیں ــــ آنکھوں نے البتّہ پسندیدگی کی چُغلی کھا دی۔

"ہم تو بس ایسے ہی ہیں فقیر لوگ ــــ آپ نواب صاحبان! اللہ ہی جانے کیسے قیام کر سکیں گے ــــ" وہ انہیں جلانے کو بولی اور مونہہ پھیر کر مُسکرانے لگی ــــ انہوں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی ــــ پھر وہ پلٹی اور انہیں سمجھانے لگی۔

"دیکھئے آپ کا سارا سامان وہ ساتھ والے چھوٹے کمرے میں ہے ــــ کپڑے الماری میں لگا دیے گئے ہیں ــــ جوتوں کا غالباً آپ کو بہت شوق ہے۔ ڈھیر سارے آئے ہیں تھوڑے بہت اس خانے میں ــــ سنگھار میز کے نچلے والے خانے میں رکھ دئے ہیں۔ باقی چھوٹے کمرے میں ــــ آپ تو دیر سے آئے، مگر سارا سامان شام ہی کو پہنچ چکا تھا۔ میں نے سینت سجا کر رکھ دیا تھا ــــ تولیں کھونٹی پر بھی ہیں اور ساتھ والے حمام میں بھی ــــ

ضرورت کی ہر چیز آپ کو مل جائے گی ـــــ صرف میں نہیں ملوں گی، اس لئے کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے ـــــ"

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ" وہ اپنا انگوٹھیوں والا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بولے ـــــ "ایسی بات نہیں ـــــ آپ تو ـــــ آپ تو ـــــ"

"آپ تو ـــــ کیا ـــــ بات پوری کیجئے نا ـــــ وہ شریر سی ڈھٹائی سے بولی : "سنوں تو سہی کہ میں کیا ہوں ! مگر وہ جھجک کے مارے اپنی بات پوری نہ کر سکے ـــــ کمرے میں یہاں سے وہاں تک نرم گُدگُدا قالین بچھا ہوا تھا ـــــ قالین ہی پر ایک طرف اخروٹ کی لکڑی کا منقش صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا ـــــ کونے میں ایک طرف دیوار گیر الماری تھی ـــــ دیوار سے لگ کر بیچ میں بڑا سا چھپر کھٹ جس پر چھپت گیری ہوتی تھی۔

اُنہوں نے ایک نظر اُسے دیکھا اور آگے بڑھ کر دھیرے سے صوفہ پر بیٹھ گئے۔

"آپ بھی بیٹھئے نا ـــــ" وہ بہت نرمی سے بولے۔

"خدا کا شکر ہے اتنے اخلاق مند تو ہیں ـــــ" وہ بھی دوسرے صوفے پر ٹک گئی ـــــ "آپ کے لئے چائے کھانے کا بندوبست کروں ـــــ"

وہ جلدی سے بچوں کی سی بے تابی سے بولے : "کھانا تو میں کھا کو آ گئی تھی..."

اِک دَم اُس کی ہنستی ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر جیسے ان کی زبان کو روک لگ گئی۔ محل میں پچھلے تین چار دنوں سے مسلسل ایک دوسرے کی خبر لی جا رہی تھی، انہیں بھی اُکسایا جا رہا تھا کہ زبان بدلیں، لیکن اُن پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا ـــــ اس وقت وہ خود ہی رُک گئے ـــــ پھر تھوڑی دیر بعد بولے ـــــ

"میں کھانا کھا کو آ گیا تھا ـــــ"

"دیکھئے ـــــ" وہ تعریف بھرے لہجے میں بولی "صرف ایک جملے نے آپ کی شخصیت کو کتنا بدل دیا ـــــ آخر آپ ایسی بات کرتے ہی کیوں ہیں ـــــ"

وہ شکایتی انداز سے بولے :— "کبھی ایچ تو ایسی بات کرتے میں کری تو کیا ہُوا"
ایک دم اُنہوں نے رومال والا ہاتھ مُونہہ پر رکھ لیا —— "میں کرا تو کیا ہُوا ——" پھر وہ خود ہی ہنس پڑے ——

"آپ کو نیند آرہی ہوگی ——" وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

"اب میں چلوں —— بڑے فانوس کا بٹن یہ نیچ والا ہے —— رات کی ہلکی بتّی کے لئے یہ والا بٹن دبائیے گا —— آں ——؟" اُس نے بڑی ادا سے جھک کر آں کہا۔

نواب سرفراز بے چینی سے بولے :— "آپ کو نیند آرئی ہوئیں گی تو ویسا بولیے میرے کو تو نئیں آرئی ——" وہ سمجھ گئی کہ وہ اُسے روکنا چاہ رہے ہیں لیکن شرم اور جھجک اجازت نہیں دیتی —— مسکرا کر بولی۔

"میں تو رات رات بھر بھی جاگوں تو نیند نہیں ستاتی ——"

"تو پھر بیٹھئے نا ——" بالآخر وہ بول ہی گئے ——

"آپ کی نیند خراب ہوگی ——"

"میرے کو نیند نئیں آرئی ——"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ نیند آرہی ہے میں سوتی ——" اُس کے ہنسنے پر وہ شرمندہ سے ہوگئے —— بولے :

"اصل میں زندگی میں پہلی بار امّی حضور ہور محل سے الگ ہوئی —— ہُوا نا" انہوں نے جلدی سے خود ہی اپنی غلطی دُرست کرلی ——

وہ چچ چچ کر کے بولی :— "بھئی یہ تو بہت ہی بُرا ہوا کہ اتنے ننھے منے سے بابا کو امّی سے الگ کر دیا گیا —— دودھ کی بوتل کا انتظام کروں ؟"

وہ معصومیت سے بولے :— "آپ تو ہم سے مذاق کر رہے ہیں ——"

وہ اپنے کنگنوں سے کھیلتی ہوئی بولی : مذاق نہ کروں تو اور کیا کروں ـــــ آپ دیکھنے میں تو اچھے خاصے مَرد ہیں اور باتیں ایسی کرتے ہیں ـــــ"

"اَب سے نہیں کروں گی ـــــ نہیں کروں گا ـــــ" ایک ساتھ دونوں ہنسنے لگے ـــــ

"اچھا جناب آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ـــــ" وہ ہنستے ہنستے بولی ـــــ

"نواب سرفراز سطوت ـــــ" وہ ذرا اکڑ کر بولے ۔

"شاباش ـــــ" وہ زور سے ہنس کر بولی ـــــ اچھے بچے اپنے نام کے آگے نواب ضرور لگایا کرتے ہیں ـــــ"

وہ حیرت سے بولے : "ایسا نہیں بولنا کیا ـــــ"

"نہیں بولیں گے تو کیا آپ نواب نہیں رہیں گے ـــــ؟" وہ پھر نرمی سے بولی۔

"اگر زندگی بھر آپ کو یہی احساس رہا کہ آپ نواب ہیں تو دانستہ، نادانستہ آپ سے کئی دِل ٹُوٹیں گے ـــــ" اچانک اُس کا لہجہ دُکھ سے بھر گیا ـــــ

وہ کچھ نہ سمجھے ـــــ" اَب سے نہیں بولوں گی ـــــ نہیں بولوں گا ـــــ" اس بار وہ نہ مسکرائی نہ ہنسی ـــــ تھوڑی دیر یونہی خاموش رہی ـــــ پھر نواب سرفراز ہی بولے ـــــ

"آپ تو اپنا نام بتاتے ہی نہیں ـــــ"

"توبہ ـــــ" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی ۔

"آپ کِس بات پر توبہ کر رہیں ـــــ" وہ حیرت سے بولے تو وہ ذرا تکلیف سے مُسکرائی ـــــ

"میرا نام ہی توبہ ہے ـــــ"

"یہ ایسا کیسا نام ہے ـــــ" دادی ماں تو بولتے کی گناہ بہوت کرے تو توبہ کرتے ۔

نام تو توبہ نہیں ہونا چاہیئے نا ——"

"لوگ گناہ کرتے ہیں تو توبہ کرتے ہیں —— میں تو سراپا گناہ ہوں —— کتنی توبہ کرتی اس لئے اپنا نام ہی توبہ رکھ لیا ——" وہ مُحِبّی حیرت سے بولے۔

"آپ کا نام آپ خود اپنے رکھ لئے —— ماں باپ نہیں رکھے ——"

"ہماری دُنیا میں ہم خود ہی اپنے نام رکھ لیتے ہیں ——"

"آپ کی دُنیا کون سی ہے ——" وہ تھوڑی دیر چپ رہ کر بولے۔

"میں ایک طوائف ہوں —— پاتر ——"

اٹھارہ سال کا ایک جوان مرد —— بھلے اُس کے انداز نسوانی ہوں —— لیکن جو پڑھا لکھا بھی ہو —— بچپن سے خاندان بھر میں ناچ رنگ کی محفلیں بھی دیکھ چکا ہو، ایک نوابی ماحول کا مرد ہو —— وہ اس نام سے چونک تو نہیں سکتا —— وہ تھوڑی دیر اُس کے معصوم چہرے کو دیکھتے رہے پھر بڑی سنجائی سے بولے:

"مگر آپ کے چہرے سے تو نہیں لگتا ——"

"چہرہ —— کتاب نہیں ہوتا —— پھر بھی پڑھا جا سکتا ہے —— آپ نے چہرے کی کتاب تو پڑھ لی لیکن ماتھے کی وہ تحریر نہیں پڑھی جو میرا مقدر ہے ——" نواب سرفراز اُلوؤں کی طرح اُس کا مونہہ دیکھتے رہے ——!

اُس کے چلے جانے کے بعد بھی بڑی دیر تک انہیں نیند نہیں آئی —— لیکن انہیں سخت حیرت یوں تھی کہ یہ بے خوابی ماں، باپ، دادی یا بہنوں سے چھٹنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ جوان سے صرف ایک دیوار آڑے تھی اسی کے چھٹنے یا چلے جانے کی وجہ سے تھی ——

صبح نئے انداز سے جلوہ گر ہوئی —— محل میں جب وہ صبح ہی صبح —— اور ان کی صبح دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی، اُٹھتے تھے تو چو طرف سے چھوکریاں انہیں

گھیر لیتی تھیں ——

"ایو چھوٹے نواب اب اُٹھئے نا ——"

"اللہ یا شاپانی ٹھنڈا ہو کو جایا ——"

"چھوٹے نواب پر اٹھے اُجاڑ لگڑی کے ٹکڑے ہو جائیں گے ——"

"چھوٹے پاشا —— آپ آج چیلا کھاتے کی تباشہ کی اُبلاوا انڈہ ——"

ادھر سے ایک پاؤں دباتی —— دوسری سر میں مالش شروع کر دیتی —— کوئی اُنگلیاں چٹخاتی اور یہ مزے مزے میں کروٹوں پہ کروٹیں لئے جاتے —— بیچ بیچ میں چھوکریوں کی گردان جاری رہتی ——

"ایو سرکار اب کب تک پڑے رہتے ——"

"اُٹھتی نا ابھی ——" وہ سُستی نکالتے —— ہاتھ پاؤں تناتے۔

یہاں ابھی ملگجا اُجالا اور ہلکا ہلکا اندھیرا باقی ہی تھا کہ کسی نے مترنم آواز سے تلاوت کرنی شروع کر دی —— اُنہوں نے پڑے پڑے سوچا کہ وہ کہاں ہیں —— پھر رات کا اپنا آنا یاد آگیا —— تلاوت کی آواز بند ہوئی —— پھر دھیرے دھیرے ایک چاپ اُن کے کمرے تک پہنچی، کوئی دروازے میں رُک گیا۔

"آپ نماز کے لئے اُٹھیں گے ——؟" وہی آواز تھی —— رات والی۔

دوسرے کمروں میں ہل چل ہو رہی تھی —— پتہ نہیں لوگ جاگ اُٹھے تھے یا سوئے ہی نہیں تھے —— اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں —— وہ ابھی تک دروازے ہی میں کھڑی تھی —— یہ اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ چکے تھے —— پھر وہ اندر آئی —— بٹن دبا کر اُجالا کیا —— دیکھا تو وہ سر جھکائے بستر پر بیٹھے تھے۔

"آپ تو سرفراز ہیں نا —— سرفراز کے معنی آپ کو معلوم ہیں ——؟ سربلند۔ پھر آپ یوں سر جھکائے کیوں بیٹھے ہیں ——؟" اُنہوں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا ——

کس قدر نکھری اور ستھری صاف شفاف اور نفیس عورت تھی —— رات کا سراپا ابھی تک آنکھوں میں تھا —— انہوں نے پہلی بار کسی عورت کو ساڑی میں دیکھا تھا —— گھر میں دادی اماں سے لے کر، امی حضور تک اور بہنوں سے لے کر نوکرانیوں تک سب چوڑی دار اریبی پاجامے، یا کھڑے چار کلی کے پاجامے یا آڑے پاجامے کرتے پہنتی تھیں —— اس پر اوڑھنیاں یا چھ گزی کھڑے دوپٹے —— ساڑی کا محل میں چلن نہیں تھا —— بابا حضور امی کے لئے دو تین موقعوں پر ساڑیاں لائے تھے لیکن وہ ساس کے ادب اور خوف سے پہنتی نہ تھیں —— دادی اماں کہتی تھیں :

"یہ پاتروں کا پہناوا ہے اُجاڑ ——"

رات کو اُس نے ہلکے نیلے رنگ کی باریک جارجٹ کی ساڑھی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا —— ساڑی پر نیلے بادلے کی کامدانی ترڑی ہوئی تھی —— زیوروں میں بھی نیلے رنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے —— ہاتھوں میں نیلے نگوں کا حیدرآبادی جوڑا تھا جو ہر جنبش کے ساتھ جھل جھل کرنے لگتا تھا —— آنکھیں جو قدرتی طور پر نیلاہٹ لئے ہوئے تھیں۔ لباس کے ساتھ بڑی طرح میل کھا رہی تھیں —— نیلے لباس میں گلابی چہرہ پھول کی طرح رکھا ہوا تھا —— کانوں میں لمبے لمبے جھومر لتے ہوئے نیلے آویزے اور گلے میں نیلا جڑاؤ گلوبند —— پھر اس کا پلو سنبھالنے کا نزاکت بھرا انداز —— جب بھی آنچل ڈھلک جاتا، وہ لمبی لمبی کافور کی بنی انگلیوں سے، دو چٹکیوں سے شانے کے پاس سے ساڑی کو پکڑتی اور دھیرے سے مرمریں گردن تک لے جا کر پلو یوں ٹکا دیتی کہ ساڑی پر ٹانکا ہوا طلائی حاشیہ کوندے اُٹھتا۔

اور اب وہ سفید ساڑی اور سفید ہی بلاؤز میں ملبوس نورانی چہرہ لئے انہیں جگا رہی تھیں —— نہ جسم پر زیور تھا نہ رات والا سنگھار —— لیکن اس وقت چہرہ رات سے کہیں زیادہ پاکیزہ لگ رہا تھا۔

"آپ موہنہ ہاتھ دھوئیں تو چائے ناشتہ بھجواؤں ——" وہ ایک چھلانگ مار کر بستر سے اُترے۔

"نہیں میں پہلے نماز پڑھوں۔۔۔۔۔۔ گا ——" وہ ذرا رُک کر بولے اور اُسے دیکھ کر مُسکرا دیئے۔

"مجھے پتہ تھا محل میں آپ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں —— یہاں ضرور پڑھیں گے —— دیکھئے رات ہی کو میں نے جانماز مسہری کے سرہانے لٹکا دی تھی۔"

ناشتہ کمرے میں ہی لگ گیا تھا —— وہ پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے بولے۔

"اتنی صبح آپ کیسا اُٹھ گئے —— ؟"

وہ ہنسی —— "میں سوتی تو اُٹھتی نا —— میں رات سے ہی جاگ رہی ہوں۔"

"وہ کائے کو —— ؟" وہ حیرت سے بولے —— "آپ کو نیند نہیں آتی —— ؟"

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی —— "نیند ہی تو نہیں آتی ——" ایک دم وہ بات کا موضوع بدل کر بولی ——

"آپ جلدی سے ناشتے سے فارغ ہولیں تو باغ میں ہوا خوری کو چلیں گے ——"

"آپ کے گھر میں باغ ہوتا —— ؟" وہ بچوں کی سی خوشی سے بولے۔

"ایسے ہی غریبا مو چھوٹا سا باغ میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے۔"

"پھر تو وہ بہت اچھا ہوئیں گا ——" وہ ایک مرد کی طرح بولے۔

"کیوں ایسی کیا خاص بات ہو گئی ——" وہ ترچھی نظر سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں ایسے ہی —— بولا ——" اور وہ جھینپ کر ہنس دیئے۔

"ارے میں بھی کیا بداخلاق ہوں —— آپ کو کھانے کو بھی نہیں بولا ——" وہ ندامت سے بولے "کھائیے نہ کچھ ——"

"یہ حکم ہے یا اصرار ——" وہ مُسکرائی۔

"میں کیا حکم دیوں گی —— نئیں نئیں میں کیا حکم دیوں گا ——"

"کیوں آپ حکم کیوں نہیں دے سکتے —— پتہ ہے آپ کی خدمت کے لئے مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ دیے جائیں گے —— اس حساب سے میں آپ کی باندی ہوئی۔ آپ میرے آقا ——"

باہر چڑیاں چوں چوں کرنے لگی تھیں —— پرندے چہچہا رہے تھے۔ ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اپنے دامن میں خوشبوؤں کو لئے ہی چلی آرہی تھی —— ایسا منظر نواب سرفراز نے کبھی نہیں دیکھا تھا —— اور ایسی باتیں بھی کبھی نہیں سُنی تھیں اور ایسی دوسری دُنیا سے آئی ہوئی مخلوق، جیسی کہ یہ عورت تھی، بھی کبھی نہیں دیکھی تھی —— ان کا دل عجیب سے جذبات سے بھر گیا —— سنجیدگی سے بولے۔

"زندگی میں آج تک کوئی ہمارا دِل نئیں دُکھایا —— آپ کائے کو دُکھاتے؟"

دِن ایسے گزر رہے تھے جیسے سونے کے چھلے میں سے ریشمی دوپٹہ —— سَر سَر —— سَر سَر شادی میہمانی میں کبھی ماں بہنوں کے ساتھ نواب سرفراز بھی جاتے تو ریتوں رسموں کو بڑے چاؤ اور حیرت سے مُونہہ کھولے دیکھتے —— ایک رسم انہیں بہت اچھی لگتی تھی —— دولہا آرسی مصحف کے لئے دُلہن کے تخت تک لایا جاتا ہے، لیکن سُسرال والیاں خاص طور سے سالیاں، اور جوان بھابیاں، موممانیاں، رشتے ناتے کی سُہاگنیں چڑھنے نہیں دیتیں —— روکے رکھتی ہیں "جب تک اس چھلے میں سے ریشم کا دُلہن کا دوپٹہ نہیں گزاروگے اُوپر نہیں چڑھنے دیں گے —— لیکن شرط یہ ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے چھلا بھی پکڑو اور دوپٹہ بھی سنبھالو ——" کوئی کوئی گھامڑ تو دونوں ہاتھ لگا دیتے اور پھر نیگ کے رُوپے لے کر ہی اُن کو چھوڑا جاتا —— اور کوئی کوئی مہارت سے اِدھر چھلا پکڑا، چھوٹی اُنگلی میں ڈالا —— دانتوں سے دوپٹے کا کونا پکڑ کے چھلے میں سے گزارا اور سر سر دوپٹہ چلا منزل کو —— اِدھر شور مچ جاتا ——

"اے ہے یہ تو بے ایمانی ہے ـــــ ایک ہاتھ میں کرنا تھا ـــــ یہ تو دانتوں سے پکڑ لے رئیے ـــــ"

دُولہا والیاں بولتیں : ـــ "اَئی واہ دانتوں کی مناہی تھی کیا ـــــ وہ تو دوسرے ہاتھ کو منع کرے تھے ـــــ" ادھر ہنسی ہوتی رہتی ادھر دُوپٹہ چھلّے سے پار بھی اُتر جاتا۔ بس اُسی طرح ان کے بھی شب و روز سونے کے چھلّے میں سے ریشم کی طرح سَر سَر گزر رہے تھے ـــــ نکلے جارہے تھے۔

اب وہ محل واپس جائیں گے تو کیا کریں گے ـــــ ؟" یہ سوال بار بار اُن کے ذہن میں آتا تھا ـــــ اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ دو مہینوں کے لئے یہاں بھجوائے گئے ہیں ـــــ پہلی بات تو انہیں یہی نہیں معلوم تھا کہ آخر وہ کِس وجہ سے یہاں بھیجے گئے ہیں لیکن اب بھیج ہی دیئے گئے تھے تو واپس کیوں بلائے جائیں ـــــ ؟ ابھی کُل چھ دِن ہی ہوئے تھے اور یہاں ان کا ایسا دِل لگ گیا تھا کہ وہ دِل ہی دِل میں سوچ رہے تھے کہ بابا حضور سے کہہ دیں گے کہ کیسا بھی کر کے میرے رہنے کا اب یہیں انتظام کر دیتے۔

ایک عجیب نرالی دنیا تھی یہاں کی بھی ـــــ پہلے دن جب وہ آئے تھے، رات کا وقت تھا ـــــ مسند پر سامنے ہی وہ گانا گاتی بیٹھی تھی ـــــ ساتھ میں سازندے تھے ـــــ اندر باہر کچھ لڑکیاں اور عورتیں بھی آجا رہی تھیں ـــــ جب کچھ اندازا انہیں نہ ہو سکا تھا ـــــ اب پتہ چلا تھا کہ وہ سب بھی ناچتی گاتی تھیں ـــــ چھ دنوں سے خود اُس نے تو پھر محفل نہیں سجائی، دوسری لڑکیاں البتہ آنے والوں کا ناچ گانے سے دِل بہلاتی تھیں۔ انہوں نے ایک دِن پوچھا بھی ـــــ

"پہلے تو آپ گاتے بیٹھے تھے ـــــ جس دِن میں آیا تھا ـــــ اب کیوں نہیں گاتے آپ ـــــ ؟"

"گاؤں گی ـــــ ناچوں گی بھی ـــــ یہ تو میرا پیشہ ٹھیرا ـــــ اصل میں آپ کے

آنے کی خوشی میں سمجھئے یا آپ کی دل بستگی کی خاطر، میں نے چھٹی کر رکھی ہے ــــــ"

"لوگاں آپ کا نام لے لے کر بہت پکارتے ــــــ نا ؟" روزانہ رات کو محفل سجتی اور دوسری لڑکیاں گانے بجانے بیٹھتیں تو وہ بھی سرفراز نواب کو لے کر وہیں آجاتی اور گلدستے کی طرح سج جاتی ــــــ گھر کے سارے لوگ اُسے بی بی کہتے ــــــ چھوٹی لڑکیاں بی بی آپا کہتیں ــــــ لڑکیاں گاتی رہتیں اور لوگوں کی نگاہیں اسی پر جمی رہتیں ــــــ گاتے گاتے لڑکیاں خفت مٹانے کو اسے آمادہ کرتی رہتیں ۔

"بی بی آپا ــــــ اب آپ آجائیں یہاں ــــــ سب لوگ آپ کی آواز کے ملرح ہیں"

"بی بی آپا ــــــ نہیں گاتیں تو کم سے کم ہمارے سامنے آکر تو نہ بیٹھئے ــــــ ہماری سُبکی ہوتی ہے ــــــ" وہ مُسکرائے جاتی ــــــ ایسا وقار اُس کے چہرے پر تھا کہ لوگ نظر بھر کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پاتے ــــــ ایسی کوئی بھاری بھرکم شخصیت بھی نہیں تھی ــــــ موزوں قدو قامت کی ایک خوب صورت عورت ضرور تھی، لیکن بے پناہ ملاحت ــــــ

بعض عورتیں اس قدر حسین، اتنی نفیس، اتنی باوقار اور کچھ ایسا رُعب حسن لئے ہوتی ہیں کہ مرد ان کی تمنا تو کرتے ہیں ــــــ لیکن چھوتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی ــــــ ایسی عورتوں کو عزت لُٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا ــــــ مرد انہیں جی جان سے چاہتے ہیں ــــــ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ عورت چھونے کے لئے ہی بنائی گئی ہے ، پھر بھی وہ رعب حسن سے کترا جاتے ہیں ــــــ نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتے ۔

اور وہ بھی انہی عورتوں میں سے ایک تھی ۔

وہ دن نواب سرفراز کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ ایسا لذت آمیز دن

کہ وہ دنوں اس نشے میں سرشار رہے۔

محل میں یہ ہوتا تھا کہ جو نواب سرفراز نے کہہ دیا پتھر کی لکیر ــــ کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سے سرتابی کرے، ذرا کسی بات پر غصے ہوئے اور لڑکیوں کی فوج کی فوج منانے اور خوشامد کرنے کے لئے تیار، اور یہ ہیں کہ مزید اینڈتے جارہے ہیں مگر من کر نہیں دیتے ــــ آنے کے کوئی آٹھویں دن کی بات تھی کہ نواب سرفراز نے اس سے اچانک ہی کہا۔

"آج آپ بہوت خوب صورت لگ رہے ــــ"

"اچھا ــــ" وہ ہنسی "آئینہ دیکھ کر رائے دوں گی۔ آپ کی پسند کا کیا بھروسہ" وہ بھی ہنس دیئے۔ بولے:

"آج آپ اور میں ذرا گھومنے چلیں گے ــــ"

"گھومنے ــــ؟" وہ آنکھیں پھیلا کر حیرت سے چلائی: "کہاں؟"

"ایسا ایچ ــــ پتھر گٹی ــــ چار مینار ــــ لاڈ بازار اور پھر ...

"بس ــــ بس ــــ بس ــــ" وہ شرارت کے موڈ میں تھی "بہت گھوم لئے تھی ــــ تھک کر چور ہو گئی ہیں تو ــــ" وہ سمجھ گئے کہ یہ ٹال رہی ہے۔ ذرا غصے ہو کر بولے ــــ

"تو آپ نئیں چلیں گے کیا ــــ؟"

"میرا کہیں آنے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا ــــ"

"تو پھر آپ میرے سے بات بھی نئیں کرنا ــــ" وہ غصے میں بھر کر بولے تو وہ الٹ کر بولی۔

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے مری جارہی ہوں؟ ارے جناب آپ ایک دن بات نہیں کریں گے تو میں سو دن نہیں کروں گی۔ آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ ہونہہ۔ اور وہ پیر پٹختی اُن کے کمرے سے نکل گئی۔

"ارے !" وہ زناٹے میں آ گئے — یہ تو سچ مچ نکل کر ہی چلی گئی — بجائے اس کے کہ مجھے مناتی، خود ہی غصّے ہو کر بیٹھ گئی — ارے واہ !

انہیں پھر بھی ایک آس تھی کہ شاید وہ آئے لیکن دوپہر کے کھانے پر روز کی طرح وہ بلانے نہیں آئی — بلانا کیا وہ تو خود ہی انہی کے کمرے میں ان کا اور اپنا کھانا لے کر آجاتی تھی اور ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق، شرارت اور چہلوں کے درمیان کھانا چلتا رہتا تھا — آج وہ کھانا لے کر کیا آتی، بوسیدہ سا لمبے خانساماں آکر دروازے میں اڑ گیا۔

"نیاب صاب کانا کدر پہونچاؤں ؟"

انہیں بے حد غصّہ آیا "کھانا کدھر پہنچاؤں —" اس شخص کی بات چیت میں حرف ہ کا کوئی گزر ہی نہیں — کہاں تو وہ ہنسی سے بھرپور باتیں، ہنستا ہنساتا چہرہ۔ ہری بھری ادائیں اور کہاں یہ بڈھا جس کی بات میں ہ بھی نہیں آتا، ہنسی کیا آئے گی — غصّے سے تپ کر بولے :

"تمہارا نام کیا ہے جی — ؟"

وہ ادب سے بولے : "ایدر میاں" (حیدر میاں) آج ان کو ہر بات پر غصّہ آ رہا تھا نام دیکھو تو ایدر میاں — بات سنو تو، کانا کدر پونچاؤں" خوب غصّے سے بولے :

"بھاگ جاؤ —"

وہ نرمی سے بولے "باگ جاؤں ؟"

انہیں شدید غصّے میں خیال آیا کہ ہونہہ، یہ اس کی شرارت ہے اور اسی نے مجھے جلانے کے لئے اس سڑے مالیے بڈھے کو بھجوا دیا ہے — چھلانگ لگا کر بستر سے نکلے اور سیدھے اس کے کمرے میں — وہ بڑے سکون سے لیٹی ہوئی تھی۔

"آپ کے یہاں مہمانوں سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے کیا ؟" وہ غصّے سے لال پیلے ہو رہے تھے — اس نے انہیں ذرا سا مسکرا کر دیکھا مگر پھر مونہہ پھیر لیا۔

"لے کے ایک بے ہودہ بڈھے کو میرے سر لاد دتے، آپ خود کھانے کا پوچھنے نہیں آسکتے تھے؟" ان کے اس طرح چیخنے چلانے پر اس نے صرف ایک نظر انہیں دیکھا۔ وہ ایک نظر جس نے اٹھارہ سالوں کی سوئی ہوئی قوتوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگا دیا۔ وہ اسی طرح پرسکون انداز سے بستر پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی —— ان کے چیخنے چلانے کا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اور نہ وہ بات کرنے ہی کے موڈ میں تھی۔

اچانک ان کا دم پھول گیا —— ایک ایسی تبدیلی انہوں نے اپنے آپ میں پائی کہ ان کا وجود ہل گیا —— اسے یوں لیٹا دیکھ کر وہ اور بھی بے دم ہو گئے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، بڑی مشکل سے بہت مشکل سے انھوں نے آپ کو سنبھالا ——

"ہو نہ ہو اس لباس، ساڑی میں ہی کچھ گڑبڑ ہے —— عورت پہن کر لیٹے تو کمر کے پاس کیسا قاتل خم پڑ جاتا ہے۔ انہوں نے اسے گرسنہ نظروں سے گھورتے ہوئے سوچا۔

وہ ان کے جذبات کے مدوجزر سے بے خبر، یا جان بوجھ کر بے خبر بنی یونہی لیٹی رہی تھک ہار کر جب وہ اس کے کمرے سے نکلنے لگے تو انہیں لگا کہ شاید اس کے دل میں کچھ رحم آجائے اور وہ بلائے لیکن وہ تو منانے کے لئے بنی ہی نہیں تھی۔

ایک دن گزرا ——

دوسرا دن گزرا ——

تیسرا بھی دن گزر گیا —— رات آئی —— آج جانے کتنے دنوں بعد اس نے محفل سجائی —— ہارمونیم ہاتھ میں لینے سے پہلے حاضرینِ محفل کو بھرپور نظروں سے اور انہیں نواب سرفراز کو اچٹتی نظر سے دیکھ کر سازندوں سے مخاطب ہوئی۔

"محفل میں کوئی ہم سے خفا خفا ہے —— سمجھ میں نہیں آتا کیا گائیں کہ یہ خفگی دور ہو جائے ——؟"

نواب سرفراز پوری جان سے سنسنا گئے۔ اُف! یہ عورت تو مجھے مار ڈالے گی۔

غصّے ہو جاؤ تو مناتی نہیں ـــــ بات کرو تو سُنتی نہیں ـــــ مُخاطب کرو تو بات نہیں کرتی اور دُور ہٹو تو آنکھوں کے کونوں سے بُلا دیتی ہے ـــــ رُعب داب ایسا کہ چھُو نہ سکو۔ تو کیا کرو، مر جاؤ ـــــ ؟ نہیں نواب سرفراز! محل چلو، وہاں بہُوت لڑکیاں ہیں۔

ان خیالات کی ڈور ٹوٹ گئی ـــــ سازوں کی سنگت میں اس کی آواز کا جادو سارے میں بول رہا تھا ـــــ کیا گلے میں نور بھرا ہُوا تھا ـــــ انہیں لگا کہ اگر یہ عورت اندھیرے کونے میں بیٹھ کر بھی گائے تو اس کی آواز کے اُجالے سے کمرہ روشن ہو جائے

کِس مُصیبت سے بسر ہم شبِ غم کرتے ہیں
رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

وہ شعر پڑھنے کا انداز اور وہی اُچٹتی ہُوئی نگاہ پھینکنا ـــــ نواب سرفراز کو محفل سے اُٹھتے بن پڑ رہی تھی نہ بیٹھتے ـــــ

برسوں تڑپاتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں
کِس تکلف سے وہ تکلیفِ ستم کرتے ہیں
مجھ سے کہتا ہے یہ احسان جتا کر ظالم
ہم سِوا تیرے کِسی پر بھی ستم کرتے ہیں

اور پھر سب کو نظر انداز کر کے پُوری پُوری توجہ ان کی طرف کرنا لیکن اس میں بھی ایک ادا کہ محفل سمجھے نہ سمجھے لیکن وہ سمجھ لے جس کے لئے گایا گیا ہے

ہم ہی بدنام ہیں جھُوٹے بھی ہم ہی ہیں بیشک
ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں!

پھر تحت اللفظ حاضرین کی طرف دیکھ کر، رُک رُک کر۔

”ہاں صاحب ہم ستم کرتے ہیں اور آپ تو کرم کرتے ہیں نا ـــــ“

ایسی رات اُنہوں نے اب تک نہیں گزاری تھی ـــــ اس میں ایک کیف بھی تھا،

کسک بھی، دِل آزاری بھی، کچھ کھونے کا احساس بھی، کچھ پا لینے کی کیفیت بھی، ایک لذّت بے نام ——

پندرہ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب محل پر آ کر اپنے مریض کو دیکھنے آنے والے تھے اس لئے نواب صاحب نے ذاکر خاں کو بھجوا کر ایک دِن پہلے ہی صاحبزادے کو محل بلوا لیا۔

جس صبح ڈاکٹر صاحب آنے والے تھے، اس سے پچھلی رات کو یہ ہُوا :

رات کو صاحبزادے کے کمرے میں دُودھ پہنچانے زیبون گئی تو سہی لیکن لَوٹی نہیں —— اس کی ماں سمجھی " چھوٹے صاحب کے پاؤں واؤں دبانے بیٹھ گئی ہوئی گی"۔ ایک گھنٹہ —— دو گھنٹہ —— انتظار کرتے کرتے زیبون کی ماں سو گئی —— صبح آنکھ کھُلی تو ہڑبڑا کر دیکھا، ابھی تک زیبون غائب تھی —— گھبرا کر چھوٹے سرکار کے کمرے کو بھاگی —— دروازے کو دھکّا دیا تو کھُل گیا —— سامنے جو منظر تھا اُس نے اُسے بال نوچنے اور سر پیٹنے پر مجبور کر دیا ——

ملبے چوڑے چھپر کھٹ پر پہلے تو زیبون دِکھائی ہی نہیں دی، جو غور سے دیکھا تو دو روحیں ایک جسم بن کر پڑی ہوئی تھیں اور سفید چادر پر گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

"میں لُٹ گئی پاشا!"

"میں برباد ہو گئی پاشا ——"

"اَگے کیا ہُوا —— ؟" صبح ہی صبح یہ ہنگامہ دیکھ کر وہ بوکھلا گئیں ——

"اَگے کیا ہُوا —— بول تو سہی موئی ——"

"اب کیا بولوں پاشا —— بولنے کو مونہہ ایچ کہاں رہ گیا، وہ دھڑا دھڑ چھاتی کوٹنے لگی ——

دُلہن پاشا نے بڑے افسوس سے نواب شوکت کو رات کی واردات سُنائی تو وہ

ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"مولیٰ کا احسان ہے ــــ شکر ہے۔"

"اَئی کیا آپ کی مغز ماری گئی جی ــــ یہاں ایک غریب بچّی کی عزت لُٹ گئی۔ ہور آپ مولیٰ کا شکر ادا کررئے ــــ"

"انسان بڑا خود غرض ہے بیگم ــــ آپ کو کیا بتاتا، ہم آج کتنے خوش ہیں۔ ہمارے سر سے آج کتنا بڑا بوجھ اللہ ہٹایا۔"

ماں تو بے حد خوش تھیں کہ پندرہ دنوں بعد بیٹا گاؤں سے آیا ہے لیکن الگ الگ باپ بیٹے کے دِل میں جیسے کچی سی چل رہی تھی ــــ نواب شوکت سوچ رہے تھے کہ اب صاحبزادے کو کیوں طوائف کے کوٹھے پر بھجوائیں ــــ علاج تو پورا ہو ہی گیا ــــ اور صاحبزادے سوچ رہے تھے، دو دِن گزر گئے ہیں مجھے کیوں بھجوایا گیا تھا وہاں یہی پتہ نہ چل سکا اور اب روکا کیوں جارہا ہے یہ بھی نہیں معلوم؟ لیکن اے مولیٰ کوئی مجھے نہ روکے ہیں اب محل میں کیسے رہوں گا ــــ؟

ڈاکٹر صاحب آئے۔ تفصیلی باتیں ہوئیں ــــ بے حد خوش ہوتے۔ بولے: "مجھے پتہ تھا میرا طریقِ علاج ناکارہ نہیں ہے ــــ بہر حال ایک بچّی کی عزت لُٹ گئی سخت افسوس کی بات ہے ــــ خدا گناہوں کو معاف کرنے والا ہے ــــ اچھی جگہ دیکھ شادی ضرور جلد سے جلد کروا دیجئے ــــ دان دہیز اتنا دیجئے کہ ماں کے دِل کا غم بھی دُھل جائے ــــ حالانکہ یہ داغ دولت سے نہیں دُھلتے ــــ لیکن پھر بھی دولت دھبّوں کو چھپا ضرور دیتی ہے ــــ"

"زیبون کی شادی تو ہو جائیں گی۔" نواب صاحب بولے: "لیکن اب آپ یہ بتایئے کی صاحبزادے کو ابھی اور بھی وہاں بھجوانا چاہیئے کی مطلب پورا ہوگیا ــــ؟"

"میرے خیال سے تو منزل مل چکی ہے ——"، ڈاکٹر صاحب مسکرا کر بولے۔

لیکن منزل کہاں، ابھی تو نواب سرفراز نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا —— جو اِن کے دِل کو لگی ہوئی تھی اس سے سارا زمانہ بے خبر تھا۔

"ہو جی مُنشیاں دیوان لوگاں مَر گئیں کیا کی میرے اِتّے سر کے بچّے کو ایکلا گاؤں پو بھیج دئیے آپ —— اب اللہ خیر سے وہ آیا تو میں نئیں واپس جانے دیوں گی ——"، دُلہن پاشا رات کو نواب شوکت سے بولیں:

"جیسی آپ کی مرضی مگر کام سیکھتے رہتا تو اچھا تھا ——"، وہ تو خواہ مخواہ بہانہ سازی کر رہے تھے ——

"وئی تو میں بھی بول رئی تھی —— چُپ کا چُپ بچّے کے پیچھے پڑے رہتے —— اب دیکھو نا پندرہ دن کے اندر اندر وہ لڑکوں کے جیسا بات کرنا سیکھ گیا کی نئیں —— چار مردوں میں اُٹھا بیٹھا تو آ گیا محاورہ —— آپ تو خود کچّی عمر کا سمجھتے اس کو ——"، پھر وہ ہنس کر بولیں:

"آپ اس نے سیکھا بولوں کے سارے محل کے چھوکریاں کو مردانی بات چیت کرو بولے —— اب کیا ہوا معلوم —— بچیّوں کے اسکول کے چھوکریاں تو چھوڑو، اپنے خاندان کے بھی سارے لڑکیاں بالیاں مردوں لڑکوں کے ویسی اچ بات کرے رئیں، اصل میں اللہ رکھو اِن چار پیسے سے خوش ہیں —— پیسے والوں کی نقل تو سبھی کرنا فخر سمجھتے —— میں تو بولتیوں اب حیدر آباد میں، ہمیشہ کے واسطے یہ رواج نہ پڑ جاتے کی لڑکیاں لڑکوں ہور مرد، بچّوں کے ویسی باتاں کرلیتے بیٹھے کیوں کی جتے بڑے بڑے گھرانے ہیں سُوب کی اپنی جان پہچان ہے —— اپنے بچیاں کو مردانی بات چیت کرتے دیکھ کو وہ سمجھیں گے، یہ اچھی بات ہوئیں گی جبھی تو شوکت نواب ہور دُلہن پاشا اپنے بچیاں کو سکھائے ——"۔

وہ ہنس ہنس کر سنائے جا رہی تھیں لیکن آج نواب شوکت کو اس قدر اطمینان کی گہری

سانس لگی تھی کہ وہ خرخر کر رہے تھے ــــ دُلہن پاشا ان کی نیند سے بے خبر خوشی خوشی پوچھ رہی تھیں : "ہو جی پندرہ دِن کے بعد میرا بچہ آیا ــــ خاندان والوں کی دعوت کرتے ــــ اس کو مُرغ مُسلّم بہوت پسند ہے ، وہ بھی پکواتیوں کل . . . . . . اپنی بات کے جواب میں نہ ہوں سُنی نہ ہاں ــــ جُھک کر دیکھا تو نواب صاحب بے سُدھ سو رہے تھے ــــ

"ائی اُجاڑ ان پو تو جیسے نوے سرے سے جوانی برس رئی ــــ میں بات لچ کر رئی ہور اُنوں خرّاٹوں پے خراٹے لیتے پڑئیں ــــ"

صُبح ہی صبح دلہن پاشا نے پچاس مُرغوں کے ذبح کرنے کا انتظام کرنے موذّن صاحب کو بُلوا بھیجا ــــ ماماؤں کو تاکید ہوئی کہ سارے مورے گھی میں تل کر ان کے پیٹ میں بھریں ــــ بادام ثابت ڈالیں ــــ پھر ان کا خیال آیا کہ میٹھے کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا ہے کہ کیا پکے گا خود ہی بیٹے سے پوچھنے ان کے کمرے میں پہنچیں تو خالی کمرہ ان کی ہنسی اُڑانے لگا ــــ

"آپ کو میری یاد آئی ؟" نواب سرفراز نے بڑی آس سے اس سے پوچھا وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بجھ بجھ جائے گی ــــ کہنے لگی : "اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف آپ ہی انگاروں پر سوئے ہیں ۔" لیکن اس نے ایک ادائے بے نیازی سے انہیں دیکھا اور ذرا حیرت سے بولی :

"یاد ؟ کس بات پر اور کس لئے ؟" ان کا سارا جسم سُلگ گیا ۔

"آپ کو میں اچھا نہیں لگتا ؟" وہ غصے سے بولے ۔

"اچھے تو لگتے ہیں ۔" وہ چڑانے کے انداز سے بولی : "لیکن اس کا یہ مطلب تو

نہیں کہ آپ کو جگنی بنا کر گلے میں لٹکا لوں ـــــ" اور وہ یہ بات اپنے گورے گورے گلے میں پڑی جگنی کو جھلانے لگی ـــــ نواب سرفراز تلملا گئے۔ یہ کیسی عورت ہے؟ کسی بات سے نہیں جھجکتی ـــــ

"جی چاہتا ہے آپ کو کچا چبا جاؤں ـــــ"

"آپ میں یہ حیوانی صفات پیدا ہو رہی ہیں ـــــ آپ کو کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنا چاہیئے ـــــ"

"مر گئے میرا علاج کرنے والے ـــــ" وہ جل کر بولے: "لوگاں بولتے عورتاں بہوت محبت کرنے والے ہوتے ـــــ آپ تو اس کے الٹ ہیں بالکل ـــــ"

"پہلے آپ مجھے براہِ کرم یہ بتا دیں کہ ہم دونوں جھگڑا کس بات پر کر رہے ہیں ـــــ" وہ معصومیت سے ہاتھ ہلا کر بولی:

"دیکھیے، آپ کے ان باتوں سے میرا دماغ اوندھا ہو جائیں گا ـــــ"

"تو ابھی تک آپ کو یہ مغالطہ تھا کہ آپ کا دماغ سیدھا رکھا ہوا ہے؟" اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اچھا چلئے دوستی کر لیتے ہیں ـــــ آج صرف آپ کی خاطر گانا گاتے ہیں، آں!" جس لٹک سے، جس انداز سے وہ سر کو ایک طرف جھکا کے مسکراتے ہوئے "آں" کہتی تھی تو وہ انداز انہیں پاگل کر دیتا تھا۔

وہ آگے آگے، یہ پالتو بنے پیچھے پیچھے ـــــ وہ مسند پر جا کر بیٹھ گئی ـــــ ہارمونیم کو اپنے سامنے کھینچتی ہوئی بولی:

"ساز کے ساتھ یا یونہی ـــــ؟"

"آپ بنا ساز کے بھی بے حد سُریلے ہیں ـــــ" وہ تڑپے ہوئے لہجے میں بولے۔

"دیکھیے جناب میں مرد نہیں عورت ہوں ـــــ آپ کو مجھے اسی طرح مخاطب کرنا چاہیئے

یوں کہیئے : "بے حد سُریلی ہیں ۔ سمجھے ـــــ !" پھر اُنہیں سیدھی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی : "مدرسہ عالیہ میں تعلیم حاصل کی ہے نا ؟ قواعد نہیں پڑھی آپ نے ۔ صیغۂ مذکر صیغۂ مؤنث ! آں ـــــ"

"آپ جو جو بھی کہیں گے ـــــ معاف کیجئے ۔ کہیں گی ، میں سب مانوں گا ۔ لیکن خدا کے واسطے آپ مجھ سے اچھی طرح رہا کیجئے ـــــ" اس نے کوئی جواب نہ دیا ، ہارمونیم کے پردوں کو آگے پیچھے کیا اور ایک شعر اُٹھایا :

ہم نے دِل سی چیز دے دی آپ کو
آپ کیا دیں گے سوائے دردِ دِل

نواب سرفراز بے تاب سے ہو گئے ـــــ پہلو بدل بدل کر اُنھوں نے شعر سُنا ـــــ اچانک وہ رُک گئی ۔

"اونہوں ـــــ یہ نہیں کوئی دوسری چیز ـــــ" اور وہ شروع ہو گئی :

کس بات کی ہے حسُن کی سرکار میں کمی
سب کچھ ہے ایک رحم نہیں اور کرم نہیں

یہ شعر نواب سرفراز کے حسبِ حال تھا ـــــ دِل کی ساری تڑپ چہرے پر کھنچ آئی ـــــ ایک دم وہ رُک گئی ـــــ "اونہوں کچھ جچا نہیں یہ بھی ـــــ تھوڑی دیر وہ یونہی ساتوں سُر ملاتی رہی ـــــ پھر ہنس کر بولی : "یہ سُنئے ۔ شاید پسند آئے ۔"

وہ اگر حیلہ کریں ، مدفن تک آنے کے لئے
ہاتھ نکلے ہیں جنازے سے بلانے کے لئے

"ذرا غور سے سُنئے گا حضور" :

شکل اچھی رنگ گورا بال لانبے چشم شوخ !
کس جگہ کی خاک لی تم نے بنانے کے لئے

"یہ تو آپ اپنی ہی تعریف کر رہی ہیں ——" نواب سرفراز ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

وہ برجستہ بولی: "تعریف ہوتی ہے تو حقیقت کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ سُنئے:

چادرِ آبِ رواں بن کر لپیٹ جاؤں گا میں
تم اگر اُترو گے دریا میں نہانے کے لئے

نواب سرفراز کا بدن سَنسنا گیا —— اُنھوں نے کَس کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے: "دیکھئے آپ ظُلم کر رہے ہیں ——"

"کر رہی ہیں ——" اس نے مسکرا کر تصحیح کی اور گاتی رہی:

یہ ادائیں یہ جفائیں یہ جوانی یہ ستم!
ڈھونڈھ لو مزدور کوئی بوجھ اُٹھانے کے لئے

ہارمونیم روک کر ہنس کر بولی: "اپنے اپنے اندازِ نظر کی بات ہے۔ غالبؔ نوحہ گر کے مقدور نہ ہونے کا ماتم ہی کرتے رہ گئے —— یہ صاحب مشورہ دے رہے ہیں اور بُرا نہیں دے رہے ہیں کہ مزدور رکھ لیجئے ——" پھر بڑے مزے سے ذرا جھک کر بولی "آپ کی کیا رائے ہے ——؟"

"مجھے رکھ لیجئے ——" وہ فقیروں کی طرح بولے۔

"رکھ تو لیتی لیکن ..." وہ ناک چڑھا کر بولی: "آپ مجھ سے چھوٹے ہیں میں آپ سے بڑی ہوں ——"

"اچھا آپ کی عمر کیا ہو گی ——؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ بتائیے کیا ہو گی ——؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"بیس سال ——" اُنھوں نے بے دھڑک کہا —— وہ بے طرح ہنسنے لگی —— ہنستے ہنستے اُس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

"آپ اس طرح کیوں ہنس رہی ہیں؟" وہ پریشان سے ہو گئے۔
"مَیں اپنی کامیابی پر ہنس رہی ہوں — اس ایک لمحے کے لیے تو مَیں موت سے مُہلت مانگ لوں گی —"

•

ذاکر خاں نواب سرفراز کو جب لینے آئے تو وہ سخت گڑگڑائے کہ کیا جواب دیں — پھر انہیں رازدار بنانا چاہا۔
"ذاکر چچا! مجھے کیوں بلایا ہے؟"
"بیٹے اب کب تک یہاں رہیئے گا۔"
"بھجوایا کیوں تھا —؟" انہوں نے عجیب وغریب سوال کیا۔ بڑی دیر تک ذاکر خاں چپ رہے۔ پھر بولے۔
"بیٹے — ویسے طوائفیں بدنامِ زمانہ ہوتی ہیں لیکن ان کے ہاں محفل کے آداب تمیز، قاعدہ، اندازِ گفتگو، اُٹھنے بیٹھنے کا جو سلیقہ ہوتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ ہر ایک کی بات مَیں نہیں کرتا، لیکن بعض تو اتنی مہذب ہوتی ہیں کہ شرفا اور اُمراء اپنے لڑکوں کو آدابِ محفل تو کیا آدابِ زندگی کہیئے سکھانے ان کے ہاں بھجواتے ہیں۔ آپ اپنی مثال بھی یونہی سمجھ لیجیے۔"
"تو کیا مجھے آدابِ زندگی آ گئے؟" وہ ذرا تلخی سے بولے۔ ذاکر خاں انہیں غور سے دیکھتے رہے — یہ انداز کسی لڑکی کا نہیں تھا ایک مَرد کا تھا جو اگر اپنی ہٹ پر اڑ جائے تو ٹھوکر سے طوفان اٹھا دے — ان کے دل میں خوشی کی ایک کرن چمکی۔ اپنی خوشی کو دبا کر بولے:
"آتے یا نہیں آتے، مَیں غریب آدمی کیا جانوں، لیکن بابا حضور نے بلایا ہے آپ کو چلنا تو چاہیئے بیٹے —"

"لیکن میرا جی نہ چاہے تو؟" وہ تیزی سے بولے۔

"آدابِ زندگی اس عورت نے سکھائے ہوں یا نہ سکھائے ہوں، آدابِ گفتگو ضرور اتنے کم عرصے میں سکھا دیئے ہیں ــــ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو آج سے کچھ دِن پہلے گھٹنوں سے سر تک نہیں اُٹھاتا تھا جس کی زبان تک نہیں کھلتی تھی، آج کیسے رواں دواں بہتے پانی کی سی گفتگو کر رہا ہے، ذاکر خاں نے دِل میں سوچا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا ذاکر چچا ــــ"

اُنہوں نے اس کی پیٹھ تھپکی: "اچھا بیٹا! آپ یہیں رہیئے، میں نواب صاحب سے کہہ دوں گا کہ آپ ہارمونیم، طبلہ اور موسیقی سیکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے!"

"اوہ ذاکر چچا ــــ" وہ اچھل کر خوشی سے بولے "آپ واللہ میرے اصلی چچا ہیں ــــ"

ذاکر خاں کے جانے کے بعد وہ خود ہی ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"آپ کو واپسی کا بلاوا آیا تھا؟" انہوں نے اقرار کے طور پر سر ہلایا۔

"تو گئے کیوں نہیں؟" وہ مسکرائی۔

"یہاں دِل بہت لگتا ہے ــــ"

"پھر دو دِن کیسے محل میں رہ گئے؟ وہ اُسے بے حد غور سے دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ بولے۔

"میں آپ سے کچھ لینا چاہتا تھا لیکن لینے کی ہمت نہیں پاتا تھا وہ میں نے محل میں حاصل کر لیا ــــ" جب ایک مرد ایسی سنگین سچائی کا اعتراف اپنی محبوبہ سے کرے تو ہر چند کہ یہ بھیانک سچائی محبوبہ کا دل پھیر بھی سکتی ہے لیکن سمجھو کہ مرد اپنی محبت میں سچا ہے۔ اس کا دِل پھرا نہیں بلکہ وہ خوش ہوئی اتنی خوش کہ اس کا چہرہ جگمگا گیا۔ مسکرا کر بولی:

"اور پھر کبھی آپ اسے محبت کہیں گے ——؟"

"میں... میں... " وہ پھپک پڑے۔ "میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

وہ اگلے جملے کی منتظر رہی۔ "میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ——"، لیکن وہ یوں ہی سَر جھکائے سسکتے رہے۔

"آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟" وہ سنجیدگی سے بولی، وہ خاموش اسے دیکھتے رہے —— غالباً ابھی ان کی اتنی عمر نہیں تھی جو یہ سوچ سکتے کہ کسی عورت کو حاصل کرنے کی سب سے آسان راہ شادی ہے —— وہ شاید جسم کے حصول کو ملاپ اور ساتھ سمجھ رہے تھے، اس معاملے میں بھی ان کا تجربہ بے حد کم عمر تھا —— زیبون کا جسم ان کے اندر کے سرکش سیلاب کو بہا ضرور لے گیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے ساتھ کی طلب یا چاہ نے انہیں بے کل نہیں کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ زیبون سے سیراب ہونے کے بعد تو انہیں اور شدت سے وہ باوقار عورت یاد آتی تھی جس کو وہ پالینا بھی چاہتے تھے اور چھونے کی ہمت بھی نہیں رکھتے تھے —— جو سامنے بیٹھی انہی سے پوچھ رہی تھی: "آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟"

انہوں نے بھی وہی سوال اس سے کر دیا۔

"آپ ہی بتایئے میں کیا کروں ——؟ میں ہر ہر لمحے آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں ——"

"ابھی میرے ترکش میں ایک تیر، بڑا کاری تیر باقی ہے —— جذبۂ رقابت بیدار کرنے والا تیر —— اس تیر کی چبھن آپ کو سمجھا دے گی کہ آپ کیا کریں۔" اس نے خاموشی سے سوچا —— نواب سرفراز آس بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے کہ یہ اب کچھ بولے، اب کچھ بولے —— لیکن وہ انہیں بس دیکھا کی ——

اگلے تین چار دنوں تک نواب سرفراز پاگلوں کی طرح اس کے قرب کی جستجو میں اس کے آگے پیچھے ہوتے رہے اور وہ ٹالتی رہی ــــ صبح کی نماز کے لئے جگانے آتی بھی تو یونہی دور سے آواز دے دیتی اور چلی جاتی ــــ اس کے بعد وہ پہلے ہی کی طرح ہنسنے بولنے لگی ــــ اس کا اکثر وقت انہی کے کمرے میں گزرنے لگا ــــ وہی پیاری پیاری ہنسی۔ وہی شرارت بھرا انہیں جلانے چڑانے والا انداز ــــ وہی ننھی منی لڑائیاں جو انہیں وصل کا ہی انداز لگتیں ــــ اس نے نواب سرفراز کو اس قدر خود پر مائل کروالیا اور اپنے طور پر سمجھ لیا کہ اب وہ سوائے میرے کسی کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائے گی ــــ پندرہ دن اس طرح گزر گئے کہ اس نے انہیں اپنے بدن تو کیا ہاتھ تک کو چھونے کی اجازت نہیں دی ــــ اجازت کا کیا سوال تھا ــــ ان میں خود اتنی جسارت نہیں تھی۔ حد یہ کہ پندرہ دنوں بعد ذاکر خاں ڈاکٹر صاحب کے کہنے اور نواب شوکت کے بھجوانے پر انہیں لینے آئے تو انہوں نے صاف کہلا دیا :

"میں بچہ نہیں ہوں کہ کسی کا ساتھ ڈھونڈوں ــــ جب میرا جی چاہے گا، میں خود چلا آؤں گا ــــ شہر میں قدم قدم پر تانگے، ٹرام اور سواریاں موجود ہیں"۔ ذاکر خاں ایک بے نام سی خوشی چہرے پر نہ آنے دینے میں ناکام رہے اور ان کا چہرہ خوشی سے دمک گیا ــــ

"تو کیا بیٹے آپ کا دل بالکل ہی یہاں لگ گیا ــــ محل کی یاد نہیں آتی ــــ؟" جواب میں نواب سرفراز نے انہیں صرف غصے سے گھور کر دیکھا ــــ

اتنی محبت، اتنا التفات پیہم، اتنی توجہ اس نے نواب سرفراز کو دے دی کہ وہ اسے اپنی ہی چیز سمجھنے لگے ــــ ایسے میں اچانک ایک روز اس نے محفل سجائی ــــ بڑے دنوں بعد آج اس اہتمام سے محفل سجائی گئی تھی جو لوگ اس کے گانے اور رقص کے دلدادہ تھے۔

جب یہ دیکھتے تھے کہ آج کل اس نے مسند پر بیٹھنا چھوڑ دیا ہے تو وہ آنے سے کترانے لگے۔ ایسی ویسی لڑکیاں تو کہیں بھی میسر آسکتی ہیں ـــــ آج اس نے خادموں کے ہاتھ رقعے لکھ لکھ کر اپنے پرانے قدردانوں کو مدعو کیا ـــــ

آج ساری رات کا رت جگا تھا۔ بڑا کمرہ بُقعۂ نور بنا ہوا تھا، یہاں سے وہاں تک ایک ایسی رنگینی چھائی ہوئی تھی کہ پلک جھپکانے تک کو جی نہ چاہتا ـــــ رات کے گیارہ بجے وہ طلوع ہوئی اور واقعی سورج کی طرح طلوع ہوئی ـــــ رات کی مناسبت سے تو چاند کی طرح طلوع ہونا تھا لیکن لباس ؛ گہرے نارنجی رنگ کی بھرواں کام کی جھلملاتی ساڑی، اسی رنگ کا بلاؤز ـــــ گورے گورے بازوؤں پر بازو بند ـــــ سر سے لے کر پاؤں تک پور پور زیور ـــــ مہندی ـــــ چھلّے ـــــ انگوٹھیاں ـــــ بچھوے ـــــ پاول زیب ـــــ کبوتر آنکھ کی پازیب ـــــ گلوبند ـــــ کرن پھول ـــــ جھمکے ـــــ جھومر اور ناک میں وہی قاتل نتھنی ـــــ آج دلہنوں کا سا نور اس پر برس رہا تھا ـــــ

اس کے آنے سے پہلے حاضرین کو مصروف اور مسرور رکھنے کی خاطر اینڈی بینڈی آوازوں سے کچھ لڑکیاں وزن سے گری ہوئی غزلیں اور بازاری قوالیاں گاتی بیٹھی تھیں جیسے ہی بڑے دروازے سے موتیوں کا پردہ ہٹا کر وہ داخل ہوئی ـــــ سارے سازبے آواز ہو کر رہ گئے ـــــ ہر نگاہ اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی ـــــ کسی نے معنیٰ خیز جملہ کہا :

"آج تو توبہ کو توڑ دینے کو جی چاہتا ہے ـــــ"، نواب سرفراز نے یہ جملہ سنا اور غصّے سے ان کا خون کھول گیا ـــــ انہیں دگنا غصہ تو اس وقت آیا جب خود اس نے بھی یہ جملہ سنا اور مسکرا دی تھی۔

"اس قاتل کی عمر کا پتہ ہی نہیں چلتا ـــــ عمر تو رواں ندی ہوتی ہے۔ یہاں اس ساحرہ کے پاس آؤ تو وہ بھی بہنا بھول گئی ـــــ یہ بول بھی اس نے ہنس کر خوشی خوشی سنے اور وہ صرف مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے ـــــ پہلے ایسی محفلوں میں وہ حاضرین محفل کے باوجود ساری توجہ انہی پر

دے رہتی تھی ـــــ بھلے کن انکھیوں سے دیکھتی لیکن یہ کمی پھر بھی ہزار ہیروں پر بھاری رہتی تھی لیکن آج تو جیسے اس کے حساب وہ اس محفل میں تھے ہی نہیں۔

اور پھر جیسے ان کا پورا وجود دھڑ دھڑ شعلوں میں سلگنے لگا۔

حاضرین میں کچھ بے چینی سی ہوئی ـــــ کسی بڑے نواب کی آمد آمد مچی ـــــ لوگ گردنیں اونچی کر کر کے مُڑ مُڑ کر دیکھنے لگے ـــــ پتہ چلا کہ لکھنؤ کے کوئی نواب، جو حیدرآباد کے نواب عظمت یار جنگ کے جگری دوست ہیں، تشریف لاتے ہیں۔

انہیں دیکھتے ہی وہ بڑے تپاک سے اُٹھی ـــــ اپنی عادت کے برخلاف جھک جھک کر آداب، تسلیم، بندگی، کورنش، بیک وقت بجالائی اور نواب سرفراز کو اپنی سماعت پر شک ہونے لگا ـــــ جب وہ نفیس اور باوقار عورت نواب اچھن مرزا سے مخاطب ہوئی ـــــ

"اللہ نواب صاحب! کتے دناں ہوگئے یہ سورج غریب خانے پو نئیں چمکا!"

نواب اچھن خوش دلی سے ہنسنے لگے "مبارک ہو ـــــ مبارک ہو، غنچہ دہن، پری رُو بیس، اسی ایک دکھنی زبان کا نشہ تو تمہارے پاس کھینچ کھینچ لاتا ہے، ورنہ کہاں حیدرآباد اور کہاں لکھنؤ ـــــ"

"اب حضور آپ باتاں نکو بناؤ ـــــ کیا میرے کو معلوم نئیں کی حضور کا دل اصل میں کس پو آیا وا ہے ـــــ"

"قسم ہے پنجتن پاک کی ـــــ جھوٹے کا مُونہہ کالا، ہم تو صرف اسی صورت کے دیوانے ہیں ـــــ نہ ہوئی یہ صورت مجنوں کے زمانے میں ـــــ لیلیٰ بے چاری تو نیلا تھوتھا پھانک لیتی ـــــ"

نیلا تھوتھا کہیں سے میسر آجاتا تو سب سے پہلے اس وقت نواب سرفراز پھانک

لیتے کہ ایسی بے ہودہ باتوں کو سُن کر نہ صرف یہ کہ وہ خوش ہو رہی ہے بلکہ مزے لے لے کر مُسکرا مُسکرا کر اسی زبان میں باتیں کئے جا رہی ہے کہ جس زبان میں وہ ایسی باتیں کرتے تھے تو ٹوک ٹوک دیا کرتی تھی ——— مارے جلن، حسد اور رقابت کے انہیں محفل میں بیٹھنا دشوار ہو گیا ——— اگر ان کی محبت میں کھوٹ ہوتا تو وہ کبھی اُن کے نام پر جوتا مار کر اُسی وقت وہاں سے نکل کر اپنے محل کو چلے جاتے ——— لیکن یہ ایک مرد کی پہلی محبت تھی اور مرد اپنی پہلی محبت میں آدم کی طرح سچا ہوتا ہے جنہوں نے دُنیا میں خود کو تنہا پایا اور کسی ساتھی کی کھوج کی اور خدا نے انہیں انعام میں عورت دی ——— پہلی عورت، پہلی محبت! مشہور ہے کہ مرد بھونرے کی طرح ہرجائی ہوتا ہے ——— ہوتا ہوگا، لیکن بار بار محبت کرنے والا یہ ہرجائی پہلی محبت کے زخم کو ہمیشہ ہرا رکھتا ہے ——— کھرچ کھرچ کے پھر اُسے ہرا کر لیتا ہے ——— اس زخم کو ہرا رکھ کے اسے جو کسک ملتی ہے، وہی اس پہلی محبت کی جان ہوتی ہے ——— وہ اپنی پہلی محبت کی اس کسک کو دل میں دبائے ساری رات انگاروں پر لوٹتے رہے ———

آج وہ پتہ نہیں کس نشے میں تھی، بے حال ہوئی جا رہی تھی ——— آوازیں ان کے کانوں میں گرم گرم لاوے کی طرح ٹپک رہی تھیں ———

"آج ہر ساز کو چھوٹ ہے ——— آج بے ترتیبی مباح ہے ——— ہرا منا نہ رواہے ——— سازندو آج تال کہروا خوب بجاؤ، اتنا کہ سامعین و حاضرین مست و بے خود ہو جائیں ——— اس کے بعد طبلے، ڈھولکی، دَف، تاشے اور ساتھ میں سارنگی اور ہارمونیم کو تھکاؤ ——— میں ناچوں گی ——— آج گھنگرو نہ ٹوٹے تو کیا ناچ ہوا ———"

وہ سُنتے رہے، خون پیتے رہے ——— محفل شباب پر آتی گئی ——— چاند ادھر سے اُدھر سِرکتا رہا ——— ان کی آنکھیں خوں رنگ ہو گئیں ——— نیند کی جسارت نہ ہوئی کہ ایسی تپتی سنگلاخ زمین پر قدم رکھے ———

یوں کہ جیسے کچھ ہُوا ہی نہ ہو ــــ وہ دھیرے سے آئی لیکن اس کی پازیب کی چھم چھم نے بتا دیا کہ وہ آ رہی ہے، وہ آ رہی ہے۔

بڑی متانت سے اُس نے پوچھا: "محفل سے اُٹھ کر کیوں چلے آئے تھے؟"

بڑا بوجھل سناٹا تھا ــــ وہ یونہی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجّہ بنائے لیٹے رہے۔ سانس کی دھونکنی لوہار کی دھونکنی بنی ہوئی تھی۔

"وہ اصل میں میرے بڑے پرانے گاہک ہیں۔" اس نے لفظ گاہک پر خاصا زور دیا ــــ "اور وہ دکنی بولی سُن کر بڑے خوش ہوتے ہیں ــــ مجھے تعلیم ہی ایسی دی گئی تھی کہ نواب اگر حیدرآباد کے ہوں تو دہلی اور لکھنؤ کی اردو میں بات کروں اور باہر کے ہوں تو پرچانے کے لئے دکنی اردو میں ــــ میرے موہنہ سے اچھی لگتی ہے نا؟"

وہاں ایک خاموشی ہی تھی سب کے جواب میں ــــ وہ یُونہی سنائے ہوتے پڑے رہے۔

"پھر بھی میں تو طوائف ہوں ــــ میں کسی ایک کی بنوں کیسے؟ مجھے تو سبھی کو خوش رکھنا پڑتا ہے ــــ ویسے نواب اچھن بُرے آدمی تو نہیں ہیں ــــ"

ایک دَم چیتے کی سی تیزی سے وہ اپنے بلند و بالا جسم کو لئے بستر سے کودے ــــ عین مین اس کی آنکھوں کے سامنے آ کر وہ اپنے پورے اونچے قد کے ساتھ کھڑے ہو گئے

"بتاؤ مجھ میں کیا نہیں ہے ــــ اُس تھل تھلے بڈّھے کو دیکھو جس کی توند اُسے چلنے نہیں دیتی اور مجھے دیکھو ــــ اُس زنخے کو دیکھو اور مجھے دیکھو ــــ اُس مِن مِن کرتی آواز کو سُنو اور میری آواز سُنو ــــ اگر تُم محض دولت کی غلام نہیں ہو تو بتاؤ اُس بڈّھے کا اور مجھ جیسے جواں مرد کا کیا مقابلہ ہے، میں نے تو سدا لڑکیوں کے مُونہہ سے یہی سُنا ہے کہ عورت دولت نہیں مانگتی، تخت نہیں مانگتی، صرف مضبوط کسا وانا مانگتی ہے جو اُس کی ہڈیوں تک کو چرمرا دے ــــ پھر تُم جیسی جوان لڑکی اس بڈّھے پر کیسے ریجھی ــــ ہونہ ہو اس

کی تہہ میں دولت کارفرما ہے۔

"جی نہیں، آپ غلط سمجھے ـــــ کوئی بھی عورت اور خاص طور پر مجھ جیسی عورت معاشرے میں، رہنے کا جینے کا تحفظ چاہتی ہے جو بنا شادی کے ممکن نہیں اور نواب اچھن مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں ـــــ"

وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آگے بڑھے۔

"نواب اچھن تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں ـــــ وہ غلیظ گندا کھل کھلا بڈھا، جسے ایک لات ماروں تو سیدھا گندی بیٹھ میں جا کر گرے ـــــ وہ تمہارا یہ خوب صورت صندل والا حنائی ہاتھ تھامے اور میں اُلو کا پٹھا ہوں جو دیکھتا رہوں گا ـــــ" انہوں نے تیزی سے اُس کا نازک، انگوٹھیوں سے جگمگاتا ہوا ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا "یہ ہاتھ میرا ہے ـــــ میں اسے . . . . . ."

"نہیں نہیں ـــــ"، وہ چیخی: "مجھے مت چھوئیے ـــــ مجھے ہاتھ نہ لگائیے۔ یہ گناہ ہے، گناہِ کبیرہ ہے ـــــ" وہ سانسوں سانس ہو گئی ـــــ نواب سرفراز نے گھبرا کر اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا ـــــ وہ آگے بڑھ کر مسہری پر بے دَم سی ہو کر گر گئی۔ وہ نادِم نادِم سے اُسے دیکھتے رہے ـــــ دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ آہستگی سے بولے:

"معاف کیجئے گا ـــــ آج جذبات کی رَو میں، میں حفظ و مراتب بھی بھول بیٹھا آپ کو تم کہہ گیا ـــــ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ کو میں پسند نہیں ہوں تو صاف کہہ دیجئے، مجھے بُرا نہیں لگے گا ـــــ لیکن اگر ذرا بھی کوئی بات میری پسند ہے تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے شادی کرنا پسند کریں گی؟"

ماہ و سال کے جانے کتنے لمحے اپنے دامن میں آنسو لئے آئے اور برس برس کر جل تھل ایک کر گئے ـــــ اب نہ برسو ـــــ اب نہ برسو خدا کے لئے ـــــ اب میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے ـــــ اس نے اپنے دھڑکتے پھڑکتے دل کو قابو میں کیا اور پاتال

سے بولی۔

"آپ میں ناپسند کرنے والی کوئی بات ہے ہی نہیں، لیکن آپ کے بزرگ لوگ . . . . . ."

وہ تیزی سے بولے: "اٹھارہ برس کے مرد پر زبردستی بھی تو نہیں کی جاسکتی لیکن مجھے امید ہے کہ کوئی میرے آڑے نہیں آئے گا ــــ"

"مائیں بڑی نرم دل ہوتی ہیں ــــ" وہ اندر سے کرچی کرچی ہوتی ہوئی بولی "تہہ در تہہ محبت ہی محبت ــــ لاکھ موہنہ سے برے برے بول بول لیں، اولاد کی کوئی بات نہیں ٹالتیں، لیکن باپ مرد ہوتے ہیں، سخت دل، اڑ جانے والے ــــ اگر آپ کے بابا حضور نہ مانے تو ــــ؟"

وہ خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے بولے: "یہ میری ذمّے داری ہے۔ آپ راضی ہیں، مجھے دنیا مل گئی ــــ"

"طوائف سے شادی کرنا بہت مشکل ہے ــــ آپ نہیں سمجھیں گے ــــ آپ ابھی نوعمر ہیں ــــ آپ نے زمانے کو نہیں پرکھا ــــ لوگ آپ پر انگلیاں اٹھائیں گے ــــ طرح طرح کی باتیں ہوں گی ــــ آپ یہ سب برداشت نہیں کر پائیں گے۔

"شاید دنیا میں مجھ سے پہلے بھی کسی نے یہ جملہ دہرایا ہو لیکن میں تو اسے اپنے ہی دل کی آواز کہوں گا اور وہ آواز یہ ہے کہ اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میں خود کو ختم . . . . ."

ایک دم اس نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ بڑھایا کہ ان کے ہونٹوں پر رکھ دے، لیکن خود ہی پیچھے ہٹا لیا ــــ

"اے خدا گواہ رہیو ــــ میں امانت میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوئی ــــ" اسے خاموش اور سہما ہوا پا کر وہ کچھ اداس ہو گئے ــــ

"آپ یقین کریں میں آپ کو وہی عزت دوں گا جو محل میں امی حضور کو ملتی

رہی ہے ۔۔۔۔"

"مستحق تو میں اپنی عزت کی تھی ۔۔۔۔" وہ زیرِ لب بولی جسے وہ سُن نہ پائے۔ اپنے چہرے سے پھُوٹی پڑتی خوشی کو چھُپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے

"میں اٹھارہ سال کا ہوں لیکن دوگنی عمر کا لگتا ہوں اور شادی بیاہ میں میرے خیال سے قد قامت ہی کو دیکھنا چاہیئے ۔۔۔۔" وہ اپنی ہنسی کو نہ روک سکے ۔۔۔۔"آپ تو میرے مقابل بچی لگتی ہیں بچی ۔۔۔۔ چاہوں تو ایک اُنگلی پر اٹھالوں آپ کو ۔۔۔۔" وہ شرارت سے جھکے، لیکن وہ دُور ہٹ گئی ۔۔۔۔

"میں طوائف ضرور رہی لیکن صرف ناچنے گانے والی ۔۔۔۔ یہ دیکھئے نتھنی آج تک پڑی ہوئی ہے ۔۔۔۔ آپ کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ کسی بھی طوائف کی ناک میں جب تک نتھنی ہے سمجھو وہ میکا وہ مال نہیں بنی ۔۔۔۔ شادی تک صبر کر لیجئے نا ۔۔۔۔ کیوں میری عاقبت خراب کرتے ہیں ۔۔۔۔"

وہ شرارت پر تُلے ہوئے تھے: "تو پھر بھی شادی آج ہی کر لیجئے نا؟"

"آج تو خیر نہیں، لیکن اگلی جمعرات کے بارے میں کیا خیال ہے ۔۔۔۔؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"جو آپ کی مرضی ۔۔۔۔"

"میری چند شرائط ہوں گی ۔۔۔۔"

"سر آنکھوں پر۔" وہ ہنسے: "کوئی خاص زیور یا کپڑے لتے کی ۔۔۔۔؟"

"نہیں ۔۔۔۔ ایک تو یہ کہ جب آرسی مصحف ہوتا ہے اور دُلہن کا چہرہ لوگوں کو بتایا جاتا ہے، ویسے میرا چہرہ کسی کو نہیں بتایا جائے گا، دوسری یہ کہ رواج کے مطابق تو دولہا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے لیکن آپ مجھے ایک چھوٹا سا خنجر لا کر دیں گے۔"

"منظور ہے سرکار ۔۔۔۔" وہ ہنسے "ویسے آپ خنجر کے بغیر بھی یہاں سے وہاں

تک قتلِ عام برپا کر سکتی ہیں ـــــ،، نہ کہے گئی۔
"شادی سے پہلے کی رتیں، رسمیں، مانجھ، سانچق، مہندی چالے ـــــ کچھ بھی نہیں ہوگا ـــــ شادی کے دن سُرخ کی بجائے مَیں سبز جوڑا پہنوں گی ـــــ،،
"یہ بات ذرا مُشکل ہوگی حُضور ـــــ مَیں اپنے بابا اور امّی کا اکلوتا بیٹا ہوں ـــــ وہ اپنے ارمان پھر اور کس طرح نکالیں گے ـــــ سوچنے کی بات ہے ـــــ رتیں بھی نہیں سُرخ جوڑا بھی نہیں ـــــ،،
"آپ نہیں سمجھیں گے ـــــ،، وہ اُداسی سے بولی: "یہ بات کوئی راز تو رہے گی نہیں کہ آپ ایک طوائف کو بیاہنے جا رہے ہیں ـــــ جتنی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں گی اتنے ہی تیر کلیجے کو چھیدیں گے ـــــ آپ مجھ پر یہ ظُلم روا رکھیں گے؟،،
"چلئے جناب یہ بھی منظور ـــــ اب فرمائیے ـــــ،،
"ہر ارمان بھری دُلہن کی طرح میرے بھی دل میں ارمانوں کی ایک ہری بھری فصل لہلہاتی رہی ہے ـــــ لیکن مَیں کس کس ارمان کو گنواؤں گی ـــــ بس ایک شرط اور ہے لیکن وہ عقد خوانی کے بعد، اپنی سسرال پہنچ کر بتاؤں گی ـــــ،،
"ہم وہ بھی مان لیں گے سرکار ـــــ اور کچھ ـــــ؟،،
"اور یہ ... وہ اپنے ڈوبتے دل کو تھام کر بولی" اور یہ دُعا کہ خُدا آپ کو میرا غم برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے ـــــ،،

اکلوتے جوان بیٹے کی ضد کے آگے باپ کی کچھ نہ چلی ـــــ طوائف سے شادی!! نہ خاندان میں کبھی نے سُنی نہ دیکھی اور یہ نامُراد، نالائق خود کرنے چلا ہے۔

بیچ میں ماں کو ڈالا ہے کم بخت نے کہ بابا حضور نے اگر منع کیا تو زہر کھا لوں گا ـــــ زہر کی پڑیا ماں کو لا کر بتا بھی چکا ہے ـــــ نواب شوکت کے محل سے برات نکل کر پہنچی عراق

کے رذیل اور ذلیل محلے میں جائے گی ـــــ ہونہہ ـــــ اور یہ بھی صاحبزادے کا اصرار ہے کہ "وہ" بُرا نہ مانے، اس کا دل نہ دُکھے کہ جس عزّت کی وہ مُستحق تھی وہ نہ ملی ـــــ شادی اسی شان و شوکت سے ہو جیسے کسی شریف زادی سے ہوتی اور سارے نواب، امیر، اُمراء، اور رؤسا بھی برات میں چلیں اور عقد خوانی میں شرکت کریں۔

کیا کیا خواری اس اولاد کے ہاتھوں دیکھنی لکھی ہے، اُوپر والا ہی جانے۔

ایک سے ایک خیالات نواب شوکت کے ذہن کو کچوکے دیتے ـــــ ماں کی مرضی تو باپ کی مرضی میں پوشیدہ تھی ـــــ وہی اگر راضی نہ تھے تو پھر فیل مچا کر کیا کر لیتیں ـــــ کلیجے میں ساری کھٹک تو یہ پڑی ہوئی تھی کہ جوان اور اکلوتا لڑکا ہاتھ سے نہ نکل جائے ـــــ بھلے سے رنڈی ہو، پاتر ہو، ناچن ہو، آنائن ہو، شادی ہو جائے ـــــ کون سا نبھا کر دیں گے ـــــ چار دن کھلونے کی طرح کھیلیں گے پھر تو اکھلڑے پر پھینکنے ہی والے ـــــ تو کیوں بچے کا جی خراب کیا جائے ـــــ لوگ غلط کہتے ہیں کہ پیری انسان کو جھکا دیتی ہے ـــــ نہیں اولاد جھکاتی ہے ـــــ!

ہفتہ بھر ہی تو شادی میں باقی رہ گیا تھا ـــــ

پیسہ ندی کی طرح بہتا ہو تو آٹھ دن تو کیا آٹھ گھنٹے بھی جوڑ جاڑ کے لئے بہت ہیں ـــــ شوکت محل میں لہر بہر ہو گئی ـــــ

نواب سرفراز خود بھی خوشی سے بے حال مونہہ ہی مونہہ میں گنگنا گنگنا کر شادی کے انتظامات میں مصروف رہتے۔ ایک دن بڑی ترنگ میں آ کر گنگنا رہے تھے:

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

کہ نواب شوکت نے سُن لیا ـــــ اُن کا دِل دہل اُٹھا ـــــ بیٹے کو پاس بُلا کر دھڑکتے دِل سے پوچھا:

"بیٹے یہ کیا گا رہے ہیں آپ ـــــ"، ایک بھولی بسری یاد نے ان کے چہرے کا رنگ اُڑا دیا تھا ـــــ

"جی بابا حضور، محل میں دائی مائی کبھی کبھار یہ بول گنگناتی ہے، ہمیں اچھے لگتے تھے، زبان پر چڑھ گئے ـــــ آپ کو پسند نہیں ـــــ؟"

ان کے پھڑکتے پھڑپھڑاتے دِل کو قرار سا مِل گیا۔

"نہیں بیٹے، پسند ناپسند کی بات نہیں ـــــ ہم سوچے پتہ نہیں کہاں سے آپ یہ منحوس شعر یاد کر لئے ـــــ خوشی کے موقع پر ایسے غمگیں اشعار نہیں پڑھنا چاہیئے ـــــ جایئے اپنا کام کیجئے ـــــ"

شادی سے پہلے آخری بار اس نے محفل سجائی ـــــ نواب سرفراز محل واپس آ گئے تھے کہ شادی کا انتظام کرنا تھا ـــــ لیکن روز ایک دو پھیرے لگا لیتے تھے ـــــ اُن کی تڑپ میں روز بروز اضافہ ہی تھا۔ اُس دِن وہ گئے تو وہ بولی:

"اب کہاں میں اور کہاں یہ محفلیں ـــــ کون جانے قسمت کی آندھی کہاں اُڑا لے جائے ـــــ آپ کی اجازت ہو تو آخری بار ایک محفل سجا لوں ـــــ"

وہ اس کی اُداسی سے متاثر ہو کر بولے: "کمال کرتی ہیں آپ بھی ـــــ شادی کے بعد بھی آپ کے شوق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی، اس کا آپ پورا اطمینان رکھیں ـــــ" وہ ممنون نگاہوں سے اُنہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی یہ محبت اور معصومیت ہی میری جان لے لے گی ـــــ" اس کے چہرے کا حزن و ملال دیکھ کر وہ بھی اُداس سے ہو گئے ـــــ رات آئی ـــــ محفل سجی ـــــ اُس نے ہارمونیم سنبھالا اور ایک دردناک طرز شروع کی ~

شبِ فرقت کے جاگنے والے ؛ ایسے سوتے کہ پھر سحر نہ ہوئی

ایک بار ——

دو بار ——

تین بار ——

بار بار یہی شعر وہ پڑھتی رہی اور سُننے والے سر دھنتے رہے —— آخر وہ چونکی اور حاضرین سے معذرت خواہ ہوئی "پتہ نہیں اس شعر نے کیوں باندھ سا لیا تھا۔ بہر حال میں ایک غزل پیش کرتی ہوں ؎

قسمت اِدھر خلاف، دلِ بے قرار بھی
ہم سے بگھری ہوئی ہے اُدھر چشمِ یار بھی

سیاہ لباس میں اس کا چہرہ غم و اندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا:

تنہا مرے، مزار پہ دَم بھر نہ جل سکی
مایوس ہو کے بُجھ گئی شمعِ مزار بھی

کتنی ہی دیر یونہی ساز بجتا رہا —— پھر اُس کی درد بھری آواز اُبھری ؎

لے جائے اُن کے در پہ اُڑا کر صبا کبھی
اس آرزو میں ہے مرا مُشتِ غبار بھی

وہی تکرار ——

اس آرزو میں ہے مرا مُشتِ غُبار بھی
رو رو کے سینچتی رہی سبزے کو قبر پر
کچھ میرے کام آ گئی شمعِ مزار بھی

اس نے تھک کر اپنا سر ہارمونیم پر ٹِکا دیا —— ماحول میں صرف آواز کی گونج باقی رہ گئی —— سُننے والے سر دھنتے رہے اور وہ اسی طرح سر ٹکائے اپنے آپ کو ڈھونڈتی رہی ——

مقرّرہ دن اور تاریخ پر ایک شان دار برات شوکت محل کے وسیع و عریض پھاٹک سے نکلی ــــــ اتنی لمبی برات کو نکلتے نکلتے بھی سب سواریوں کو گھنٹہ بھر تو لگ ہی گیا ۔

جس کرّوفر کی برات تھی ، چڑھاوا بھی ویسا ہی دھوم دھام کا تھا ــــــ کیوں نہ ہوتا ، آخر نواب شوکت یار جنگ کے اکلوتے بیٹے کی دُلہن کا چڑھاوا تھا ــــــ جس جس سڑک سے بھی برات گزرتی حیدر آباد کے اُمراء کی شان اور روایت کے مطابق سارا جھم جھم کرتا چڑھاوا ، مزدوروں کے سروں پر لدا ہوا ساتھ ساتھ چلتا ــــــ دیکھنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ــــــ کتنے ہی بے دعوتی برات کے ساتھ لگ گئے اور برات جب پنچھی مُبراق پہنچی ہے تو تین گنا زیادہ لوگ ہو گئے ــــــ

بغیر کسی چاؤں میاؤں ، شور شرابے یا بدنامی کے خیریت کے ساتھ نکاح خوانی ہو گئی ــــــ دُولہا میاں گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے ، لیکن واپسی میں دُولہن کو ساتھ بٹھانا تھا ، اس لئے سجی سجائی بگھی میں لوٹے ــــــ ساری ہڑبازیوں ، ریتوں ، رسموں سے فارغ ہو کر دُولہا دُلہن اپنے کمرے میں پہنچا دئے گئے تو محبت والے دولہا کو چہیتی دُلہن کی آخری شرط یاد تھی ــــــ گھونگھٹ اُٹھا کر پیار سے بولے ــــــ

"آپ نے کہا تھا نا ــــــ آخری شرط ، سُسرال پہنچ کر کہوں گی ــــــ"

"جی ہاں مجھے یاد ہے ــــــ" وہ اُداس لہجے میں بولی : "آپ کا بے حد شکریہ ! کہ میری بات کی لاج رکھی ــــــ وہ شرط ایسی کوئی خاص نہیں ــــــ بس یہ ہے کہ میں آپ کے بابا حضور کو سلام کرنا چاہتی ہوں ــــــ لیکن کوئی اور اس کمرے میں نہ رہے ــــــ"

وہ اس کا بے پناہ خوب صورت چہرہ دیکھ کر شرارت سے بولے : "بڑے میاں کی خیر نہیں آج ــــــ خدا رحم کرے ــــــ" پھر ہنس کر باہر جاتے جاتے بولے "ٹھیریے میں ذرا انتظام کر کے آتا ہوں ــــــ اس وقت تو بابا حضور کے کمرے میں

ہجوم لگا ہوگا ——— نواب سرفراز جلد ہی واپس آئے، اُسے اشارا کیا ——— آگے آگے نواب سرفراز پیچھے پیچھے وہ ——— کمرے کے دروازے پر رک کر پلٹ کر اس نے نواب سرفراز کو دیکھا جو ساری دُنیا کا پیار دو آنکھوں میں لئے، اُسے اشاروں اشاروں میں جلدی واپس آنے کی تاکید کر رہے تھے ———

اُس کا دِل پھوٹ بہا، مگر وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گئی ——— باہر سے میراثنیں کلیجہ کاٹنے والے بابل اور وِدا عیاں گا رہی تھیں ———

دو پاٹن کے بیچ میں کچل گئی ہستی میری آج
ایک گلی وہ، ایک گلی یہ، کا سے کہوں ری بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے مِل لو ساری آج
ہے ری سکھیو پھر نہ کہنا بھول گئی تھی بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے ....

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی کمرے میں داخل ہوئی ——— اپنے پیچھے اس نے دروازہ بند کر دیا ——— نواب شوکت نے ذرا حیرت سے اُس کی اس حرکت کو دیکھا، بہر حال وہ وہیں شان دار صوفے پر بیٹھے اسے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا دیکھتے رہے۔

قریب آ کر اس نے گھونگھٹ اٹھا دیا ———

نواب شوکت تڑپ کر اُچھلے ———

"حیا ——— تم ———"

"ہاں میں ——— نواب شوکت یار جنگ ——— آپ تو بے گناہ ہیں ——— معصوم ہیں ——— گنہ گار اور مجرم تو میں ہوں ——— اور اسی لئے اپنی فردِ جرم میں خود ہی آپ کو سناؤں گی ——— یہ ضرور ہے کہ جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی لیکن سچ کے سوا کچھ تو تم بھی کہو گی ——— حوصلہ ہے سننے کا ——— ؟ نواب شوکت تم نے آج سے اکتیس سال پہلے میرا

خُون کر دیا تھا ـــــ مُجھے قتل کر دیا تھا ـــــ تُم تو پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ ہو قُرآن شریف تُم نے کبھی یا ترجمہ پڑھا ہو گا ـــــ اللہ ہی کا بنایا ہوا قانون ہے ـــ قصاص ـــــ خُون کا بدلہ خُون ـــــ نواب شوکت دُنیا کی نظروں میں تو میں زندہ رہی لیکن خدارا مجھے بتاؤ کہ تُم نے مجھے کہاں قتل نہیں کیا ـــــ میری ہر آرزو، میرے ہر ارمان، میری ہر ہر اُمّید کو تُم نے قتل کیا ـــــ نہ "خُوں بہا" دیا نہ میرا کوئی تھا، جو " قصاص "کے قانون کا تُم پر اطلاق کرتا ـــــ میں تو قتل ہو ہی چکی تھی ـــــ میری ننھی سی بچّی بھی زندہ نہ رہی ـــــ ڈیڑھ سال کی ہو کر ہی چل بسی ـــــ تمہاری یاد۔ تمہاری نشانی، جسے شاید تُم اپنا مان کر بھی نہ دیتے ـــــ جو میری زندگی کی سب سے خوبصورت حکایت تھی وہ بھی مجھے چھوڑ کر چل بسی تو سوچو میرے لئے دُنیا میں کیا رہ گیا ہو گا جب کہ ماں کو میں خود ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی کہ مجھ سے پیشہ نہ کروانا شروع کر دے، جبکہ میں یہ عہد کر چکی تھی کہ اب اس جسم کا ہر ہر رُواں تمہاری امانت ہے۔ لیکن تُم تو ایسے سوداگر نکلے کہ پھر اس امانت کو لینے کبھی نہ لوٹے، لیکن خدا کی خدائی میں جو بھی شے موجود ہے، ہر اُس شے کی قسم کھا سکتی ہوں کہ پھر اس دلِ تباہ سے کسی اور کا خیال تک نہ گزرا ـــــ بس تو بہت دور کی بات ہے ـــــ میری ماں نے جس طرح بِلک بِلک کر میرے فراق میں دم توڑا ہے نواب شوکت، اگر تُم وہ تڑپ دیکھ لیتے تو ہر کراہ پہ ایک ایک حج کا ثواب پاتے ـــــ میری ماں گنہ گار تھی شاید اسی لئے خدا نے اُسے جنّت بخش دی ہو ـــــ لیکن مجھے میرا گناہ تو بتاؤ ـــــ کیسے سونے کے قلم سے نصیب لکھا کر لائی تھی میں بھی ـــــ اِتُم نے جو ماہ و سال اپنی دُلہن کی آغوش میں گزارے ہوں گے، اپنے کلکاریاں مارتے بچّوں کے ساتھ ہنستے بولتے گزارے ہوں گے نواب شوکت ـــ مت پوچھو، مت زخموں کے ٹانکے اُدھیڑو ـــــ تم اٹھارہ سالوں کی بات کرتے ہو ـــــ میں تو ایک رات کا بھی حساب نہیں دے سکتی ـــــ ایک ایک کروٹ!

ایک ایک کروٹ، سو سو نشتر پہلو میں توڑ دیتی تھی ــــ سوچتی تھی کہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو گے ــــ؟ کس طرح مسکرا رہے ہو گے ــــ کس طرح سو رہے ہو گے ــــ جب کہ میری بے خواب آنکھیں لہو روتی تھیں ــــ تم مجھے لوٹ کر چلے گئے ــــ تم نے کہا تھا تم مجھے سہارا دو گے ــــ عورت کو ڈھانک کر رکھا جاتا ہے نا ــــ تم نے مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن تم میری عزت کی سیپ سے آبدار موتی لے کر چلے جانے کے بعد تم نے سوچا ہو گا، اب اس میں کیا رہا ــــ شادی کا وعدہ وعدہ ہی رہا ــــ تمہارے وہ جملے میں کبھی نہ بھول پائی "یہ ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہوا کہ کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ــــ آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ــــ اور تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی وہ نفرت جو میرے لئے تھی!! میں جو تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، یہ زہر میری نس نس میں اترتا رہا ــــ پھر تمہارے جشنِ شادی میں بے حال ہو ہو کر ناچتی رہی کہ جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، اس کی خوشی کا جشن تھا ــــ!! پھر زندگی میں ایک ہی دعا یاد رہ گئی کہ خدا تمہیں بیٹا دے ــــ میرے لئے!

پھر پتہ چلا کہ تمہارے گھر ولی عہد پیدا ہوا ہے اور خدا کے انصاف کو مان گئی کہ یہ انعام بس میرے ہی لئے اتارا گیا ہے ــــ اور ــــ اس دن میں نے عہد کیا کہ میں اپنے بے گنہ خون کا بدلہ خون ہی سے لوں گی ــــ قصاص! صاف سیدھی سی بات ہے ــــ تم نے میرے ارمانوں کا خون کیا ــــ میں نے تمہارے ارمانوں کا ــــ ایک باپ کی سب سے بڑی تمنا، سب سے بڑا ارمان اس کی اولاد نرینہ ہوتی ہے ــــ پانچ بیٹیوں میں اکلوتا بیٹا ــــ وہ تمہیں کتنا پیارا نہ ہو گا۔ اس کا مجھے احساس تھا ــــ میں تمہارے شب و روز سے بے خبر نہ رہی ــــ میں نے دل ہی دل میں قصاص کا فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو اس مرحلے کے لئے تیار کرتی رہی

—— کہ تم سے تمہارا بیٹا چھینوں گی —— یہ بڑا ہی مشکل اور صبر آزما مسئلہ تھا —— لیکن میں انتقام کی آگ میں جھلس رہی تھی، سب کچھ کر گزرنے پر تیار تھی —— کیوں کہ تم نے مجھے طوائف ہونے کی وجہ ٹھکرایا تھا اور یہ ذلّت میں کبھی نہ بھول سکی —— میں نے اپنے حسن اور جوانی کو محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا —— جانے کتنی زعفران اور دودھ میرے جسم میں حل ہو گیا —— صندل اور چنبیلی کی مالش نے مجھے سدا جوان رکھا —— ہم طوائفوں میں جسم ڈھل جانا بہت بُرا سمجھا جاتا ہے —— موٹا ہونا تو آمدنی بند ہونے کا پہلا قدم ہے —— کہتے ہیں جاتفل کے درخت کے نیچے بیٹھنے سے موٹاپا نہیں آتا اور نواب شوکت تم نے تو مجھے ایسے شجر کے سائے تلے بٹھا دیا تھا جس نے کبھی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تک مجھے نہ دیا —— ببول کی طرح کانٹے دار اور بے آب و گیاہ —— سدا بہار غموں کا شجر —— میں کہاں موٹی ہوتی —— ؟ بالوں نے البتہ تھوڑی سی بے وفائی کی، لیکن میں نے مہندی سے رنگ رنگ کے انہیں سُنہرا رنگ کیا ہے۔ تاکہ میری جوانی کے ضامن بنے رہیں —— یہ اٹھارہ سال بڑے ہی بزدل اور کچے نکلے —— دیکھو نا میرے قریب پھٹکنے تک کی انہوں نے ہمّت نہ کی —— ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہارا —— میری عمر سے آدھا کم عمر بیٹا مجھ پر فدا ہو جاتا —— ؟ یہ کرب میں نے کیسے سہا ہے یہ نہ پوچھو —— پھر کبھی زندگی میں انگور کے خوشے دیکھنے کی ہمّت نہ ہوئی کہ لگتا ہے کہ میرے دل میں بھی آبلوں کے ایسے ہی گچھے لٹک رہے ہوں گے —— تم نے تو مجھے کچھ بھی نہ دیا —— میں نے تمہیں وصال کی وہ مقدّس رات، سہاگ رات تحفے میں دے دی جو میرا سب سے قیمتی سرمایہ تھی —— تم تو جواباً وہ قرض بھی نہ اتار سکے —— اتنے بڑے نواب! اتنی بڑی جائداد اور دل اتنا چھوٹا —— محبّت کرنے والے تو اپنا آپ لُٹا دیتے ہیں —— لیکن تم نے مجھ سے محبّت کی ہی کب —— میری محبّت کی چھوٹی سی مثال اور سن لو —— تم نے جب مجھے آخری ملاقات میں اشرفیوں سے

بھری تھیلی دی تھی تو یاد ہے میں نے وہ قبول کر لی تھی ـــــ میرا جذبۂ وفا دیکھو ـــــ میں نے سوچا تھا کہ اگر آج میں یہ اشرفیاں قبول کر لوں تو تم یقیناً یہ سوچ کر مطمئن ہو جاؤ گے۔ کہ ہوں رنڈی تھی نا ـــــ پیسے سے بہل گئی ـــــ محبت ہوتی تو دولت کو ٹھکرا کر جاتی ـــــ عزت کا خیال ہوتا تو تھیلی میرے مونہہ پر پھینک مارتی ـــــ میں نے سوچا اپنے محبوب کو اتنا سا قلق بھی کیوں دوں ـــــ؟ اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کے بعد بالکل ہی مطمئن اور میری طرف سے غافل ہو گئے ہو گے۔ لیکن میں تباؤں ـــــ وہ ساری اشرفیاں تو میں نے اُسی وقت اپنے ہاتھوں سے یتیم خاتون میں بانٹ دی تھیں ـــــ البتہ آخری ملاقات کی صرف وہ نفرت سمیٹ کر دِل میں محفوظ کر لی تھی جو محفوظ نہ کرتی تو کبھی انتقام نہ لے پاتی ـــــ عورت کی فطرت خدا بھی شاید ہی سمجھا ہو ـــــ ایک طرف تو تمہارے لئے دِل میں پیار، ایثار اور وفا کا یہ جذبہ اور دوسری طرف تم سے انتقام لینے کی پوری تیاریاں ـــــ ایک موڑ پر زندگی میں بابا ذاکر خاں مِل گئے ـــــ شرافت اور انسانیت کے مجسّمے۔ وہ تمہارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے میرے خیر خواہ ـــــ لیکن میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم میری آتی جاتی سانس ہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے ـــــ راستے میں بٹاخہ چھُڑوا کر، گھوڑوں کو بھڑکانے، اور تمہیں بچا کر میری توجّہ اور چاہت حاصل کر لینا ـــــ یہ سب اُنہی کی صلاح تھی ـــــ تمہارے محل میں پہنچ کر مقصد صرف یہ تھا کہ تمہارے بیٹے کو میرے بدنام گھرانے تک لایا جاتے ـــــ یہ اتّفاق تھا کہ تمہارا بیٹا عورتوں میں پل کر نسوانی طرزِ زندگی اختیار کر بیٹھا، یہ نہ بھی ہوتا تو بھی بابا نے پوری ذمہ داری لی تھی کہ وہ تمہارے بیٹے کو گمراہ کر کے میری راہ ہموار کریں گے، اور پھر تُمہیں پتہ ہے کہ وہ کس طرح میرا دیوانہ بنا ـــــ لیکن میں نے اپنی شخصیت کے گرد اسے رعبِ حُسن کہہ لو یا اندازِ دلربائی ـــــ ایسا حصار کھینچے رکھا کہ وہ کبھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا ـــــ اور میں بڑھنے دیتی بھی کیسے؟ میں تو تمہیں زیر کرنا چاہتی تھی ـــــ

بس! ... ... اور آج ساری دُنیا کے سامنے تمہاری ناک میں نے نیچی کر دی — طوائف بہو — !!

آج میں نے بدلے چُکا لئے — یُوں بھر زندگی باقی رہی ہے اب کتنا سنبھال سکوں گی — جب ہم چھوٹے تھے، اماں محلّے کے بچّوں کے ساتھ عید گاہ بھجوایا کرتی تھیں — ہم خوشی خوشی ایک ایک پائی کے شکر کے کِھلونے لایا کرتے تھے — عین مین عورت کی طرح بنی ہوئی مُورتیاں جو اندر سے کھوکھلی ہوتی تھیں، مگر اوپر سے بڑی خوب صُورت — دھکّے سے ٹُوٹ جاتی تھیں — میں بھی ویسی ہی شکر کا کِھلونا ہو گئی ہوں سمجھو — اندر کچھ بھی نہیں ہے نواب شوکت — اتنے دنوں اپنے آپ کو سنبھال سنبھال کر رکھا ہے اب اور نہیں رکھ سکتی — بہت تھک گئی ہوں —

نواب شوکت اسی طرح ساکت و صامت، جیسے خواب میں مُبتلا تھے — آنکھیں پھیلی ہوئی، ہونٹ نکلے ہوئے — چہرہ ہونق — زندہ تھے مگر مُردے سے بدتر۔

"تم کہو گے بارہ سال کہاں چھپی رہی اور اب کیوں بازار سجایا — چودہ سال کا بن باس تمہارے بیٹے کے جوان ہونے کے انتظار میں کاٹا — اور بازارِ حسُن اس لئے سجایا کہ جب وہ میرے بدنام محلّے میں آکر مجھ پر فِدا ہوتا اور شادی رچتی تو سارے حیدرآباد کو عِلم تو ہوتا — میرے دِل کی آگ اس طرح کہاں ٹھنڈی ہو سکتی تھی کہ چھپتے چھپاتے شادی کر لیتی — مجھے تو تمہیں خوار کرنا تھا — اور مجھے اپنے عورت پن پر اتنا یقین تھا کہ عمر کے آدھوں آدھ فرق کے باوجود وہ میرا دیوانہ ہو جاتا — اماں نے جو لمبی لمبی نصیحتیں مجھے تمہیں باندھنے کے لئے کی تھیں وہ ساری میں نے تمہارے بیٹے پر آزمائیں بڑا ترس بھی آتا تھا کہ میں یہ کیا کر رہی ہوں — لیکن میرا قصاص کیسے پُورا ہوتا — کیسی زندگی اب تک میں نے گزاری ہے شوکت نواب —؟ موت و حیات کے جھگڑے دوزخ و جنّت کی حقیقت، حشر کی فتنہ سامانیاں، ان سب کا اگر کوئی وجود ہے اور ان سب

سے بڑھ کر اگر کوئی خدا ہے، جو کہ یقیناً ہے ورنہ کوئی انسان تو کہ ن کو اتنا مسلسل کرب اور دکھ نہیں دے سکتا ——— ہم حقیر بندے بس یہی کہہ کر صب رجاتے ہیں کہ اللہ کی مصلحت ہو گی ——— لیکن حشر میں کبھی خدا سے سامنا ہُوا تو اتنا ضرور پوچھوں گی کہ مجھے اتنا دکھ دے کر آخر تجھے کیا ملا ———؟ وہ اچانک پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ یہ کمبخت دل میرا ——— یہاں سے وہاں تک اس میں تیر ہی چبھے ہُوتے ہیں کیا ———؟ وہ پاگلوں کی طرح روتے روتے اچانک مُسکرانے اور پھر ہنسنے لگی۔ سب کچھ رائیگاں ہی گیا۔ سب کچھ !! دیکھو نا ——— جب تک تم سے بدلہ نہیں لیا تھا یہی سوچتی تھی بدلہ لوں گی ——— بدلہ لوں گی ——— اب جب کہ تمہارا مان توڑ چکی ہوں، پھر نامراد دل میں وہی پچھتاوے کی آندھی ہے کہ کوئی اپنے ہی چہیتے کو دل کے باسی کو یوں بھی ستایا کرتا ہے ———؟ دیکھو نواب اتنا مجھ پر یقین رکھنا کہ میں تمہارے لئے ہی جی اور تمہارے لئے ہی مروں گی ——— قیامت کے دن یہ آنکھیں خدا کا دیدار نہ پائیں اگر تمہارے بعد انہوں نے کسی کو بھی بُری نظر سے دیکھا ہو ——— ہاں اداکاری کی بات اور ہے جو تمہارے بیٹے کے ساتھ کی۔ خدا نے زندگی کے ڈرامے میں مجھے کیسا دردناک رول دیا تھا ——— میری جان۔؟؟ اس کی آواز آنسوؤں سے بُری طرح رُندھ گئی ——— نواب شوکت اپنی جگہ پگھل سے گئے ——— وہ پیچھے ہٹی ——— "نہیں نواب نہیں، اب مجھے ہاتھ لگانے کا گناہ نہ کرنا۔ ایک وفادار بیوی کے شوہر ہو ——— تمہاری وفاپرست ازدواجی زندگی میں یہ داغ نہیں لگنا چاہیئے کہ شادی کے بعد کسی اور عورت سے بھی ملوّث رہے ——— کنواری جوانی کے گناہ تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیا کرتا ہے ——— کم از کم مذہبی کتابوں میں یہی پڑھا ہے۔ اور دل کو میں نے جھوٹی سہی، تسکین تو دے لی ہے ——— اب اس ایک داغ کو رو رو کر اپنے حسابوں دھو لیا ہے تو پھر مجھے بھی کیوں گنہ گار کرتے ہو ——— اتنا روئی ہوں اور حیرت ہے کہ آنکھیں کیوں نہیں بہہ گئیں ——— لیکن آج بھی وہی جوت، وہی جگمگاہٹ

ہے، شاید میرا ورثے میں اپنے دُکھ اور اپنی جوت، دونوں میرے ہی لئے چھوڑ گئی تھیں۔ ... ... " بولتے بولتے وہ تھک سی گئی تھی ——— تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو میں نے سبز جوڑا پہنا تھا ——— آج بھی میں نے سبز کپڑے ہی پہن رکھے ہیں ——— یادوں کی پُروائی چلتی ہے تو کیسے کیسے پھول کھِلاتی چلتی ہے ——— ایک ایک کر کے ہر بات یاد آتی ہے ——— آج ہی نہیں روز ہی یاد کیا ہے میں نے اُن حسین ساعتوں کو ———"

وہ پھر رونے لگی ——— " اگر مسلمان نہ ہوتی اور دوسرے تیسرے جنم پر ایمان اور اعتبار ہوتا تو خدا سے دُعا کرتی کہ اے مالک انسان کا جنم دے نہ پرند چرند کا ——— جنم دیجیو تو اب کے مٹی کا جنم دیجیو کہ سدا تمہارے قدموں تلے بچھی رہوں ... ... تمہارے پیروں سے چمٹی رہوں۔" دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونکی: " میں نے اس جسم کا جو صرف تمہاری ہی امانت تھا۔ اور تمہاری ہی امانت رہا، ہر ہر خیانت سے بچایا ——— ایک بار ——— صرف ایک بار تمہارے بیٹے نے شدّتِ جذبات سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا ——— وہ ہاتھ میرے جسم کے لئے حرام ٹھیرا ——— تم گواہ رہنا ———"

اور اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی کمر میں اڑسا ہوا ایک چھوٹا سا خنجر نکالا اور کلائی کے پاس سے پنجے کو گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ——— اور اسی پھُرتی سے خنجر سے اُس نے دِل کے پاس ایک گہرا شگاف لگا لیا ——— خون کا فوّارہ سا اچھلا ——— نواب شوکت آگے بڑھے، مگر وہ تیورا کر گری اور کراہی۔ ——— " خودکشی کا گناہ ... ... ساتھ لے ... ... جا رہی ہوں ... ... مجھے چھوڑ کر میرے گناہوں میں مزید ... ... بوجھ نہ بڑھاؤ ——— کمزور جانے والوں کے ساتھ ... ... اتنا بھاری توشہ نہیں دیا کرتے ... ... میری ایک خواہش پوری کر دیتا ——— جو تم ہی پوری ... ... کر سکتے تھے بس ——— ! اور جس کا تم نے وعدہ بھی کیا تھا ——— تم شاید بھول گئے ہو ——— مجھے یاد ہے بس ......

مجھے اپنے ہاتھوں سے ڈھانک دینا ... ...''

جانے کتنے ماہ و سال آتے گئے گزرتے گئے، نواب شوکت وہیں ٹھٹھکے رہے ــــ جب دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی تو اُنھوں نے اس کا لہراتا دوپٹہ کھینچ کر نکالا اور اسے سر سے پاؤں تک ڈھانک دیا ــــ!

اُردو کی مقبُول ترین اَدیبہ

واجدہ تبسّم کے شاہ کار

اُترَن

حیدر آباد کے رنگین ماحول کی کہانیاں

قیمت : بیس روپے (ڈاک خرچ علیحدہ)

نتھ کا غرُور

حیدر آباد کی کہانیاں، جس میں غیر مطبوعہ نئے افسانے بھی شامل ہیں۔

قیمت : بیس روپے (ڈاک خرچ علیحدہ)

نتھ کا زخم

انوکھے انداز کا ناول، حیدر آباد، انگلستان اور امریکہ کی داستان۔

قیمت : بیس روپے (ڈاک خرچ علیحدہ)

نتھ اُترائی

گیارہ طوائفوں کی تیرہ کہانیاں

قیمت : بیس روپے (ڈاک خرچ علیحدہ)

نتھ کا بوُجھ

دِل چسپ بے باک افسانے۔

قیمت : بیس روپے (ڈاک خرچ علیحدہ)

واجدہ تبسّم کی کم قیمت کتابیں : کیسے کاٹوں رین اندھیری : پندرہ روپے جیسے دریا : پچیس روپے
بچوں کے لئے واجدہ تبسّم کے افسانے : بند دروازے : پندرہ روپے

آج ہی ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر گھر بیٹھے وی پی ڈاک سے منگوا لیجئے۔ یا اپنے اخبار فروش سے طلب کیجئے

شمع بُک ڈپو آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

سیما سوری

اُردو ناولوں کی دُنیا
میں ایک نیا نام

کے پہلے ناول "ٹیڑھی لکیریں" کی زبردست کامیابی کے فوراً بعد شائع ہوگیا

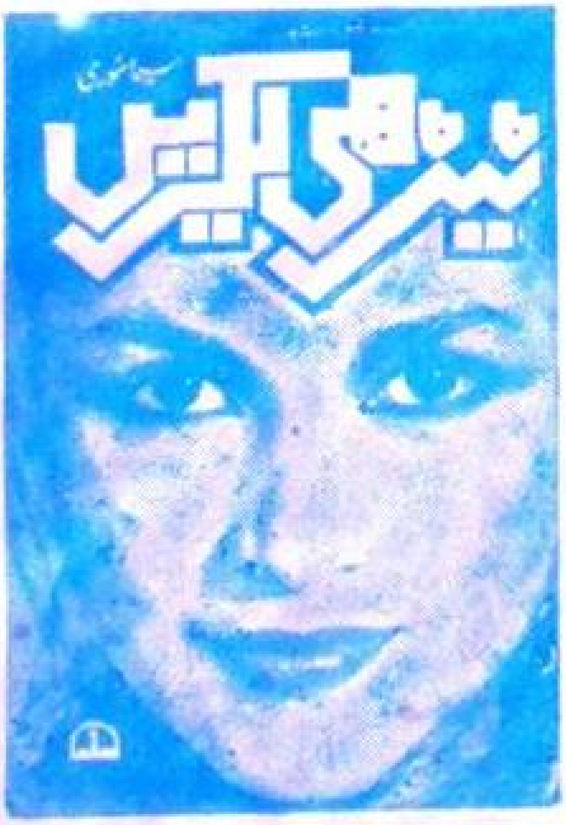

اونچی دُکان

ٹیڑھی لکیریں

سیما سوری کے قلم سے
ایک اور، بالکل نئے انداز کا ناول
ایک بااصول لڑکی کی داستان۔ جو
محبت اور کاروبار کو الگ الگ رکھنا چاہتی تھی۔
قیمت: بارہ روپے پچاس پیسے

ٹیڑھی لکیریں ایک نوجوان لڑکی کی
ایسی رومان پرور داستان ہے
جسے آپ بار بار
پڑھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔
قیمت: بارہ روپے پچاس پیسے

آج ہی ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر گھر بیٹھے وی پی ڈاک
سے منگوا لیجئے۔ یا اپنے اخبار فروش سے طلب کیجئے!

شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ایجنٹ حضرات اپنے آرڈر جلد بھیجیں۔

غیر ملکی پروانے اپنے اپنے ملک کے لئے قیمت اور محصول
ڈاک معلوم کرنے کے لئے تحریر فرمائیں۔ پھر ڈرافٹ بھیجیں

●● آپ کو ہندوستان کے کسی گوشے میں یا دُنیا کے کسی بھی ملک میں اُردو
انگریزی، ہندی، پنجابی کتابیں یا رسائل منگوانے ہوں تو شمع کے ادارے کو
خدمت کا موقع دیجئے۔ غیر ممالک میں شہر شہر نئے ایجنٹ بنائے جارہے ہیں!!